حجِ کامل ، مؤلفہ زائرِ حرم عبدالوحید صاحب، تقطیع چھوٹی، ضخامت ۱۰۱ صفحات، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، قیمت متعین نہیں، اصحابِ خیر کی توفیق پر ہے، پتہ :- شبلی اسٹورس چوک اعظم گڈھ،

ہمارے شہر کے مشہور تاجر عبدالوحید اور فرید احمد صاحبان گذشتہ سال حج بیت اللہ کے شرف سے مشرف ہوئے تھے، عبدالوحید صاحب کو کچھ لکھنے پڑھنے کا بھی مذاق ہے، اس لئے انھوں نے حجاج کی سہولت کیلئے یہ مفید رسالہ تحریر کیا ہے، اس مین حج و زیارت کے ضروری مسائل، آداب و شروط، حجاج کے لئے سفری ہدایات اور حرمین شریفین کے متعلق مفید متفرق معلومات جنکی عموماً حجاج اور زائرین کو ضرورت پیش آتی ہے، اختصار کے ساتھ قلمبند کئے ہین، اور آخر مین مشہور شعراء کی چند پرکیف نعتیہ نظمین جو مدینہ طیبہ کی حاضری کیلئے ترانۂ شوق کی حیثیت رکھتی ہین، شامل کر دی ہین، اس طرح اس مختصر رسالہ مین سفر حج اور فریضۂ حج کے متعلق بہت سے ضروری مسائل و معلومات آگئے ہین، جن سے واقفیت حجاج کے لئے ضروری ہے، اس لئے حجاج کے لئے یہ رسالہ مفید ہے، اس کی قیمت مصنف نے حرمین کے کارِ خیر کے لئے وقف کر دی ہے، اور خریدارون کی توفیق پر رکھی ہے، اس لئے اسکی خریداری ہم خرما و ہم ثواب ہے،

لیلۃ المعراج ازجناب مولوی جلالی صاحب، تقطیع بڑی، ضخامت ۹۰ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر، قیمت :- عیر، پتہ :- حافظ محمد غوث صاحب تاجر کتب چوک نانپارہ ضلع بہرائچ،

اس کتاب مین مصنف نے معراجِ نبوی کے واقعات نظم کئے ہین، معراج کے مراحل اتنے نازک ہین کہ جن شعراء نے اس پر طبع آزمائی کی ہے، اُن مین سے بہت کم کامیاب ہو سکے ہین، لیکن مصنف نے اس کو خوبی اور خوش اسلوبی کے ساتھ نظم کیا ہے، اور حتی الامکان روایات کی صحت، واقعات کے استقصاء اور حسن بیان ہر پہلو کا لحاظ رکھا ہے، اس لحاظ سے یہ نظم کامیاب اور تمام پہلوؤن کی جامع ہے، امید ہے کہ اصحابِ ذوق مین مقبول ہو گی،

"م"

جلد ۶۸ ماہ ذی الحجہ ۱۳۷۰ھ مطابق ماہ ستمبر ۱۹۵۱ء عدد ۳

مضامین

شذرات

ہندوستان کی آزادی کی نعمت کو اُس کی فرقہ پرستی تنگ دلی اور تنگ نظری نے اقلیتوں کے لئے سراسر زحمت بنا دیا ہے، اور مسلمانوں کے ساتھ جو سلوک ہو رہا ہے وہ سب پر عیاں ہے خصوصاً تعلیم اور زبان کے ذریعہ اُن کی قومی و ملی خصوصیات کو مٹانے اور اُن کے کلچر کو بدلنے کی کوشش سب سے زیادہ خطرناک ہے، ہندی حکومت کی زبان ہو چکی ہے، اسلئے اُس کے سیکھنے میں اب کسی کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے، جب مسلمانوں نے انگریزوں کے زمانہ میں انگریزی سیکھنے میں جو اُن کے لئے بالکل اجنبی زبان تھی، تامل نہیں کیا، تو ہندی کے سیکھنے میں جو ملکی زبان ہے، اور جس سے وہ نامانوس بھی نہیں ہیں، اُن کو کیا عذر ہو سکتا ہے،

مگر سوال جو کچھ ہے وہ اُن کے مذہب اور کلچر کے تحفظ کا ہے، ہندوستان کی حکومت سیکولر ہے، جس میں ہر فرقہ اور طبقہ کو اپنی ملی خصوصیات و روایات قائم و برقرار رکھنے کا پورا حق ہے، اس لئے اس کا تعلیمی نظام ایسا ہونا چاہئے جس میں ہندو اور مسلم دونوں کلچروں کی نمایندگی ہو یعنی نصاب کی کتابوں میں دونوں کی مذہبی و ملی روایات کا لحاظ رکھنا چاہئے، مگر ہمارا تعلیمی نظام اس کے بالکل برعکس ہے، اس میں ہندو مذہب، ہندو روایات بلکہ اُن کی میتھالوجی تک کی پوری کتھا موجود ہے، مگر مسلمانوں کے مذہب اُن کی تاریخ اور اُن کے اکابر کا نام و نشان تک نہیں ہے، ایسے نصاب کو پڑھکر مسلمان نوجوانوں کی جو نسل تیار ہو گی، اس کا اپنے مذہب و روایات سے کیا علاقہ رہ جائے گا، وہ محض نام کی مسلمان اور اپنے افکار و تصورات اور کلچر کے لحاظ سے ہندو ہو گی اور اس قسم کی تعلیم کا نتیجہ ایک قسم کی کلچر کشی اور ذہنی ارتداد کے مترادف ہو گا،

(۰)

مگر مسلمان کر ہی کیا سکتے ہیں، بیچارہ و ناچار اُن کو یہ بھی گوارا تھا، مگر فرقہ پرستوں کو اس پر بھی چین

نہیں ہے، اور اب انھوں نے ہندی کتابوں میں مسلمانوں کے مذہب اور اُن کے پیغمبر کی علانیہ تحقیر شروع کر دی ہے، اور ادھر چند دنوں کے اندر پرارمبھک وشو کا اتہاس، سنسار کے اتہاس کی روپ ریکھا، سنسار کا سرل اتہاس، وشو پریچے، وشو اتہاس کی روپ ریکھا، اور جے ہند ریڈر بہت سی ایسی کتابیں لکھی گئی ہیں جن میں اسلام اور پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق نہایت نازیبا باتیں تحریر ہیں ان میں سے اکثر کتابیں نصاب میں داخل ہیں، جن کو مسلمان بچے بھی پڑھیں گے، جو نہ صرف تعلیمی نقطۂ نظر سے قابلِ اعتراض بلکہ انسانیت و شرافت اور تہذیب و اخلاق کے بھی منافی ہیں، وشو اتہاس کی روپ ریکھا کو تو حکومت نے مسلمانوں کے احتجاج پر نصاب سے خارج کر دیا ہے، مگر اور کتابوں کے متعلق ابھی تک کوئی کاروائی نہیں کی ہے،

ایسی کتابوں کو محض نصاب سے خارج کر دینے سے حکومت اپنی ذمہ داری سے بری نہیں ہو سکتی، اس قسم کی جو کتابیں نصاب میں نہیں ہیں، اُن کے متعلق اس کا طرزِ عمل کیا ہوگا، ضرورت اسکی ہے کہ جس طرح حکومت نے اخبار شحنۂ شریعت کانپور کے اڈیٹر پر سوامی دیانند سرسوتی کی توہین کے جرم میں مقدمہ قائم کیا ہے، اسی طرح اس کو مذکورۂ بالا کتابوں کے مصنفین پر مقدمہ چلا کر اپنی انصاف پسندی اور فرض شناسی کا ثبوت دینا چاہئے، ورنہ سمجھا جائے گا کہ ہندو مذہب کے خلاف تو مسلمانوں کی لب کشائی جرم ہے، لیکن ہندوؤں کو پوری آزادی ہے کہ وہ مسلمانوں کے مذہب کے خلاف جو چاہیں لکھتے رہیں،

حیرت اس پر ہے کہ نصاب کی کتابوں کی جانچ کے لئے ٹکسٹ بک کمیٹی موجود ہے، جس کا فرض ہے کہ وہ پوری جانچ کے بعد کتابوں کا انتخاب کرے، پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسی کتابیں کس طرح نصاب میں داخل ہو جاتی ہیں، اس کی بظاہر یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ ٹکسٹ بک کمیٹی میں مسلمان ممبر نہیں ہوتے، یا اُن کی آواز بے اثر ہوتی ہے، یا اب ان میں اتنی بھی جرأت نہیں رہ گئی ہے کہ وہ اس قسم کی کتابوں پر اعتراض کر سکیں، اس کے انسداد کی صرف یہ صورت ہے کہ ایسے مصنفین کو اُن کی فتنہ انگیزی کی پوری سزا دی جائے تاکہ آئندہ کسی مصنف کو اس قسم کی جرأت نہ ہو، ورنہ محض سیکولرزم کی زرین نقاب سے حقیقت کا مکروہ چہرہ نہیں چھپ سکتا،

لکھنؤ کے اسکولون کے سپرنٹنڈنٹ تعلیمات نے حال مین ایک سرکلر جاری کیا ہو جس مین وہان کے پرائمری اسکولون کے ہڈ ماسٹرون کو ہدایت کی گئی ہو کہ جن لڑکون کی مادری زبان اردو ہو ان کو اردو مین تعلیم دیجائے، اور مادری زبان کا فیصلہ بچون کے سرپرست کرین گے، اس قسم کے احکام دکھانے کے لئے بہت جاری ہوا کرتے ہین، دیکھنا یہ ہو کہ اس پر عمل کہان تک ہوتا ہو، لکھنؤ صوبہ کا صدر مقام ہو، اور وہان ایک جماعت اس مسئلہ سے عملی دلچسپی رکھتی ہو، اس لئے ممکن ہو کہ اس پر عمل کیا جائے، لیکن اگر درحقیقت اس بارہ مین محکمۂ تعلیم کی پالیسی بدلی ہو تو اس قسم کے احکام پورے صوبہ کے لئے ہونے چاہئین، ورنہ تنہا ایک لکھنؤ کے اسکولون مین اردو کی تعلیم سے کیا حاصل ہوگا،

اس سال آل انڈیا اورنٹیل کانفرنس کا سالانہ اجلاس ۳ر اکتوبر سے ۵ تک لکھنؤ یونیورسٹی مین ہو رہا ہو، اس قسم کے اجتماع مین عموماً عربی فارسی اور اردو کے شعبون کی اہمیت بہت کم ہوتی ہو، اور اسکے مقالہ نگار بھی بہت کم ہوتے ہین، ایک زمانہ مین ادارۂ معارف اسلامیہ لاہور ایسا ادارہ تھا جس مین ان شعبون کے اصحاب علم و قلم اچھے مقالات پیش کر سکتے تھے، اردو کے ادبی اجتماع کے لئے ہندستانی اکیڈمی الہ آباد تھی، ادارہ معارف اسلامیہ تو اب پاکستان مین رہ گیا، اور اکیڈمی عملاً ہندی اکیڈمی بن چکی ہو، اور ادھر مدتون سے یہ بھی نہین معلوم کہ وہ زندہ بھی ہے یا ختم ہو گئی ہو، اس لئے عربی فارسی اور اردو کے فضلاء کو ان شعبون کے کامیاب بنانے کی پوری کوشش کرنی چاہئے، اس کیلئے شعبۂ اردو کے سکریٹری پروفیسر آل احمد صاحب سرور اور عربی و فارسی شعبہ کے سکریٹری ڈاکٹر نذیر احمد لکھنؤ یونیورسٹی سے مراسلت کرنی چاہئے،

قاضی منہاج سراج کی مشہور فارسی تاریخ طبقات ناصری مدت ہوئی ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کی جانب سے شائع ہوئی تھی، مگر عرصہ سے وہ کمیاب بلکہ نایاب ہو، اب ایک افغانی فاضل عبدالحئی حبیبی قندھاری نے متعدد نسخون سے تصحیح و مقابلہ کر کے تعلیقات و حواشی کے ساتھ اس کا پہلا حصہ شائع کیا ہو، کتاب لیتھو مین چھپی ہے، اور کاغذ اور خط اور چھپائی بہت معمولی ہے، مگر اب یہ کتاب نایاب ہے، اس لئے یہ بھی غنیمت ہے، جن اصحاب کو اسکی ضرورت ہو وہ عبدالحئی حبیبی جوے شیر کابل سے خط و کتابت کرین،

مقالات

گجرات کا بحری بیڑا

از

جناب مولانا سید ابوظفر صاحب ندوی ریسرچ اسکالر گجرات ورنیکلر سوسائٹی

(۳)

جہازون کے عہدہ دار اور عملہ

جہازون مین جو لوگ کام کرتے تھے، اُن کی دو قسمین تھین، ایک افسر دوسرے اس کا عملہ، اُن مین سے چند کے نام ناظرین کے معلومات کے لئے تحریر کئے جاتے ہین،

شاہ بندر:- پورے بندرگاہ کا انچارج اسی کے حکم سے جہاز بندر مین آ جا سکتا تھا، اس کی مثال ٹھیک اسٹیشن ماسٹر کی ہو،

امیر البحر:- تمام بیڑون اور جہازون کا افسر اعلیٰ، ہر قسم کے جہاز کے عملے اس کے ماتحت ہوتے ہین، اُس کو انگریزی مین "ایڈمرل" کہتے ہین،

ناخدا:- جہاز کا مالک، کبھی کبھی ناخدا ہی جہاز کا افسر اعلیٰ بھی ہوتا تھا جسکو ربان یا کپتان کہتے تھے، آخر مین دونون ایک ہی معنی مین مستعمل ہونے لگے،

ربان:- جہاز کا افسر اعلیٰ، آج کل اس کو کیپٹن یا کپتان کہتے ہین، جہاز کا چلانا، ٹھہرانا، مال کا چڑھانا، اتارنا وغیرہ سب اسکے اختیار مین ہوتا تھا، ٹھیک اس کی مثال ٹرین کے "گارڈ" کی ہے،

قائد :- رئیس الجیوش الاسلحہ یعنی فوج کا سردار اعلیٰ، تمام اسلحے اور جنگی انتظام اسی کے سپرد ہوتے،

رئیس :- سمندر کے پانی اور سمندر کے راستون کا جاننے والا، یہ ہر جہاز کا علاحدہ ہوتا تھا،

معلّم :- فلکی آلات اور نقشون کا ماہر اور ستارون کے ذریعہ راستہ بتانے والا، آخر مین اسکو مالم کہتے تھے، یہ فنِ ریاضی کا ماہر ہوتا تھا،

وکیل :- یہ یا تو ناخدا کا وکیل ہوتا تھا، یا تمام جہازی تاجرون کا، جہاز کا وکیل شان شوکت والا آدمی ہوتا تھا، جب وہ خشکی پر جاتا تھا، تو تیرانداز اور مسلح حبشی اُس کے آگے چلتے تھے، نوبت و نقارے بھی اُس کے ساتھ ہوتے، وہ جہان مقیم ہوتا، مسلح محافظ دستہ اُس کی حفاظت کرتا تھا،[1]

دیدبان :- جہاز کا نگران، جو بہت بلندی سے جہاز کی نگرانی کرتا ہے، اور ہر وہ چیز جو سمندر مین نظر آئے، اُس کی خبر بان (ناخدا) کو دیتا ہے، شاید "سگنل مین" اس کا صحیح ترجمہ ہو، مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ سمندری سفر مین ایک جہاز پر تھا، اُس کے وسط مین ایک بڑا بلند ستون تھا، اور بلندی کے سرے پر ایک چھوٹا سا کمرہ جیسا بنا ہوا تھا، دن کے وقت دیکھا کہ ایک جاٹ گامی آدمی مصنوعی زینہ کے ذریعہ اوپر چڑھ کر بیٹھ گیا، دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ یہ دیدبان ہے، انیسوین صدی عیسوی مین جب پنڈارے لٹیرون نے گاؤن گاؤن کو لوٹنا شروع کیا تھا، تو ہر گاؤن مین ایک دیدبان بنایا گیا تھا، جس پر سے ہر وقت ایک آدمی دیکھتا رہتا تھا،

اشاتمہ :- یہ افسر مسافرون کا نگران اور ان کی ضروریات کا کفیل ہوتا ہے،

خمیس التندیل :- ملاحون کا افسر،

کرانی :- کارکن (کلرک)

مقدم رجز :- غالباً ان لوگون کا افسر (ہیڈ کلرک) یا کوئی اور عہدہ ہوگا،

---

[1] سفرنامہ ابن بطوطہ جلد دوم ص ۳۰۲ طبع دہلی،

خلاصی :- (یا ملاح) جہاز کھینے والا، جہاز کو صاف کرنا، رنگنا، چرب کرنا، مال لادنا، اُتارنا، جہاز کی مرمت وغیرہ کرنا بھی اس کا کام تھا،

اس فہرست مین ایک چیز کی کمی نظر آتی ہے، جو بہت ضروری ہے، یعنی جہاز اگر شکستہ ہو جائے تو اسکی فوری مرمت کیلئے عملہ جو یقیناً ہوتا ہوگا، لیکن اُس کے عہدہ دارون کا نام کتابون مین نہین ملا، آج کل اُس کو "انجینیرز" کا عملہ کہتے ہین، جس کے ماتحت لکڑی، لوہا، نجار، خراد وغیرہ ہوتے ہین،

مناره

مناره (مینارہ) جس کو آج کل لائٹ ہاؤس کہتے ہین، یہ بندر پر تو ہوتا ہی تھا، لیکن زمین سے پچیس یا پچاس میل کے فاصلہ پر سمندر مین بھی کسی جزیرہ یا پہاڑ کی چوٹی پر ایک مینار بنا لیتے تھے، اور ایک عملہ وہان رہتا تھا، جو شب کو لکڑی جلا کر روشنی کرتا تھا، شب کے وقت سمندر مین دور دور تک یہ روشنی نظر آتی تھی، اس سے جہازرانون کو راستہ کا صحیح پتہ چل جاتا تھا، یہ عملہ ایک ایک ماہ کا سامان خشکی سے لا کر رکھ لیتا تھا، اور اس کے ختم ہونے سے قبل شاہ بندر پھر بھیج دیتا تھا،

جہازون کی رفتار

جہازون کی رفتار کے متعلق صحیح طور پر نہین کہا جا سکتا کہ کیا ہوتی تھی، کیونکہ زیادہ تر اس کا دارومدار "ہوا" پر ہوتا تھا، لیکن تجربہ کی بنا پر مختلف تدبیرین ایسی کی جاتی تھین، جس سے وہ تیز تر جا سکے، مثلاً بادبان کے پردون کی تعداد زیادہ کر دینا، اگر رفتار بہت تیز مقصود ہوتی تھی، تو بادبان کے ساتھ ملاح بھی ڈانڈے سے چلاتے تھے، جہاز جس قدر بڑا اور وزنی ہوتا تھا، اسی قدر پردے اور ڈانڈے زیادہ ہوتے تھے، جب کل پردے اور کل ڈانڈے جن کی تعداد دو سو تک ہوتی تھی، سب کو کام مین لائے جاتے تو جہاز بہت تیز چلتا تھا، اور بڑی سی بڑی مسافت جلد طے ہو جاتی تھی، اور جتنی رفتار سست کرنی ہو اسی قدر ڈانڈون اور پردون کی تعداد کم کرواتے تھے، لیکن جب ہوا مطلق نہ ہوتی، تو مجبوراً صرف ڈانڈون سے کام لینا پڑتا تھا، جس سے مقام مقصود پر پہنچنے مین کافی تاخیر ہو جاتی تھی، بعض چھوٹی کشتیان لمبی نوکدار اس طرح کی بنائی جاتی تھین جو سمندر مین قدرتی طور سے پانی کو چیرتی ہوئی بہت تیز چلتی تھین، ہوا یا بہاؤ کا اثر جہازون پر بہت زیادہ ہوتا ہے،

راقم الحروف ایک دفعہ ڈانڈی والی کشتی کے ذریعہ ماندوے سے مینگون ایک بڑا گھنٹہ دیکھنے کے لئے روانہ ہوا تو کئی گھنٹہ میں پہنچا مگر واپسی صرف ایک گھنٹہ میں ہو گئی، ملاح سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ جاتے وقت ہوا موافق نہ تھی چڑھاؤ تھا، اور واپسی میں ہوا بھی موافق تھی، اور اُتار یعنی کشتی بہاؤ کے رُخ پر تھی،

جہازون کے سامان

جہازون کے سامان دو طرح کے ہوتے ہین، ایک اہم، دوسرا غیر اہم، مثلاً ناریل کی رسّی، جو سمندر کے پانی سے نہین سڑتی، رسّی کا گٹھا جس کو جہاز اور بندر گاہ کی دیوار کے درمیان مین رکھتے ہین تاکہ جہاز کو ٹکر نہ لگنے پائے، اس کے علاوہ مرمت کے چھوٹے بڑے اوزار جہاز کو صاف کرنے کا سامان وغیرہ، لیکن ایسی اہم چیزین جن کے بغیر جہاز بیکار ہو جاتا تھا، مندرجۂ ذیل ہین،

ستائو:- یعنی پردے جس کو ہندوستانی مین "پال" اور فارسی مین بادبان کہتے ہین جس کے کھولنے اور بند کرنے سے جہاز کی رفتار تیز یا سست ہوتی ہے، اُن کی تعداد جہازون کے بڑے اور چھوٹے ہونے کے لحاظ سے کم و بیش ہوتی ہے، پردون کے چڑھانے کی لکڑی کو پرمان کہتے تھے،

پتوار یا سکان، جہاز کے سرے پر ایک لمبی لکڑی ہوتی تھی جس کے نیچے ایک چوڑی لکڑی (تختہ) کیلون سے مضبوط جڑ دیتے تھے، جب جہاز کو ایک رُخ سے دوسری طرف پھیرنا ہوتا، تو لکڑی کو اسی جانب موڑ دیتے تھے، اس پر ایک خاص آدمی مقرر ہوتا تھا، جو کپتان کے حکم سے اس کو حرکت دیتا، جس لکڑی کے ذریعہ اُس کو کئی کئی آدمی مل کر گھماتے ہین، اس کو کپا کہتے ہین، کشتی یا جہاز کا دنبالہ یعنی پچھلا حصہ اس سے مراد وہ چیز ہے جس کو ہندوستانی مین نیرم کہتے ہین،

لنگر:- یہ عموماً ایک پچھلے حصہ مین، اور کبھی کبھی دو، یعنی اگلے حصہ مین بھی ہوتا ہے، جب جہاز کو ٹھہرانا مقصود ہوتا، تو اس کو سمندر مین آہستہ آہستہ اتار دیتے، یہ لوہے کا بڑا وزنی لنگر ہوتا، اس کا وزن تیس چالیس بلکہ پچاس من ہندوستانی تک کا ہوتا تھا، اس کی شکل کانٹے کی طرح ہوتی، اگر پانی کے نیچے زمین ہوتی، تو نوک دار ہونے کے باعث زمین مین گھس جاتا، اور وزن کی وجہ سے اتنا مستحکم ہو جاتا کہ

لنگر اٹھاتے وقت بعض دفعہ اُس کے نکالنے مین کافی محنت کرنی پڑتی، اور زمین نہ ہوتی تو پانی مین جھولتا رہتا، لیکن جہاز لنگر کی سمت خفیف سا جھک جاتا تھا، اس لئے اگر ہوا کا زور ہوتا تو پھر دونون طرف کے لنگر گرا دیتے، جس سے توازن قائم ہو جاتا، لنگر لوہے کی موٹی موٹی زنجیرون مین بندھے ہوتے تھے، اس کیلئے ایک خاص عملہ ہوتا تھا، جو چرخیون کے ذریعہ اس کو اتارتا اور چڑھاتا تھا، اگر لنگر چھوٹ پڑتا تو جھٹکے سے زنجیر ٹوٹ جاتی تھی، اور نہ بھی ٹوٹتی تو سمندر مین گرنے سے جہاز کو جھٹکا لگتا تھا، اور اگر عملہ کے کسی آدمی کو اس کا جھٹکا لگتا تو وہ زخمی ہو کر سمندر مین گر پڑتا، لوہے کی زنجیرون کے بجائے ناریل کے بڑے اور موٹے رسّون سے بھی کام لیتے تھے بعض جہازون مین نصف زنجیر اور نصف ناریل کا رسّا استعمال کرنے مین آسانی رہتی ہے، اس کا طول جہازون کے حجم اور وزن کے مطابق ہوتا ہے، اس لئے ایک ایک میل لمبا رسّا بھی ہوتا تھا،

رہنما:- راہ نامہ جس کو عربی مین کتاب البحر کہتے ہین، یہ ایسی کتاب تھی جس مین بزرگون کے سمندری واقعات، بحری سفر کے ذاتی تجربے، جہازون کے چلنے کے قوانین، ہواؤن کا رُخ معلوم کرنے کا طریقہ، سمندر کے پانی کا رنگ اور مزہ، سمندر کی مسافت وغیرہ کا حال ہوتا تھا، اس کے بغیر جہاز ران ایک قدم بھی جہاز نہین لے جا سکتا تھا، رومی اس کو کمپاس کہتے تھے،

بحری نقشے:- سامانِ جہاز رانی مین سب سے پہلی چیز بحری نقشے ہین، جہاز ران اُن کو ساتھ رکھتے تھے، دریائی نقشون کے معلومات جہاز رانون سے بنتے تھے، ان کو خود اپنے تجربون سے مکمل کرتے، اس مین دریا، ساحل، جزیرے، طول بلد، اور عرض بلد لکھے ہوتے، چوتھی صدی کے وسط مین بشاری مقدسی نے امیر خراسانی کے کتب خانہ مین کاغذ کا اسی قسم کا ایک نقشہ دیکھا تھا، پھر امیر ابو القاسم ابن انماطی کے پاس نیشاپور مین کپڑے کا نقشہ دیکھا، ابن ماجد کے پاس بحر ہند کا پورا نقشہ اس وقت جب وہ واسکوڈی گاما پرتگالی کو ہندوستان لایا، موجود تھا اور یہ پہلا موقع تھا جب ایک یورپین کا منحوس قدم ہند کے زمین پر پڑا، ابن ماجد نے جو نقشہ اس کو دکھایا تھا، اس مین خطوط نصف النہار اور خطوط متوازی ترتیب کے ساتھ بہت

مفصل طور پر بنے ہوئے تھے، لیکن اس میں ہواؤں کے رُخ کے نشانات نہ تھے، جو مرتسمے ان خطوط نصف النہار و خطوط متوازی سے بنتے تھے، وہ بہت چھوٹے تھے، اس لئے ساحل کی جو راہ خطوط نصف النہار کو قطع کرنے والے خطوط شمال و جنوب و مشرق و مغرب سے معلوم ہوتی تھی، وہ بہت صحیح تھی، اور اس نقشہ پر ہواؤں کے رُخ کے نشانات بھی کثرت سے نہ تھے، جیسا کہ پرتگالی نقشے پر ہوتے تھے، جو دوسرے دن کیلئے بنیاد کا کام دیتا تھا،[1]

اصطرلاب:- ایک برنجی آلہ، جس پر علم نجوم کے احکام کے بموجب نقوش اور خطوط کھدے ہوتے ہیں، اس سے آفتاب اور ستاروں کے ارتفاع سالانہ کا حساب بخوبی معلوم ہو جاتا ہے[2]، یہ اصطرلاب ہر جہازران کے پاس ضرور ہوتا تھا، واسکوڈی گاما نے جب ابن ماجد کو لکڑی کا بڑا اصطرلاب اور دھات کے بنے ہوئے، چند اور اصطرلاب دکھائے، جس سے آفتاب کی بلندی کا اندازہ کیا جاتا تھا، تو ابن ماجد نے اُن کو دیکھ کر کسی حیرت کا اظہار نہیں کیا، اور بتایا کہ بحر احمر کے جہازران آفتاب اور قطب کی بلندی کا تخمینہ کرنے کے لئے جس سے وہ جہازرانی میں بہت زیادہ کام لیتے ہیں، مثلث کے آلات استعمال کرتے ہیں، جن کی شکل مثلث اور مربع دائرہ کی ہوتی ہے، اس نے یہ بھی کہا کہ وہ خود اور کھنبائت (گجرات) و ہندوستان کے تمام جہازران بعض جنوبی اور شمالی ستاروں اور چند اور خاص ستاروں کی مدد سے جو آسمان میں مشرق سے مغرب تک پھیلے ہوئے ہیں، جہازرانی کرتے ہیں، وہ لوگ آفتاب کی بلندی کا اندازہ اس قسم کے آلات سے نہیں کرتے، جیسے واسکوڈی گاما نے اسے دکھائے تھے، بلکہ ایک دوسرے آلہ سے کرتے تھے جسے وہ خود استعمال کرتا تھا، اُس نے اوس کو دکھایا بھی تھا، جو تین تختیوں کا بنا ہوا تھا،[3]

قطب نما:- یہ فارسی لفظ ہے، عرب اس کو دائرہ کہتے تھے، جب قطب نما کی موجودہ شکل سوئی کی صورت میں ایجاد ہوئی، تو نویں صدی ہجری میں اس کو بیت الابرہ کہنے لگے،

---

[1] عربوں کی جہازرانی ص ۱۳۵، اعظم گڈھ [2] نور اللغات لکھنؤ [3] عربوں کی جہازرانی ص ۱۳۶،

قطب نما سے مقصود وہ مقناطیسی آلہ ہے، جس سے سمت دریافت کیجاتی ہے، اس کے موجد اور ایجاد کی تاریخ قدامت کی تاریکی میں گم ہے، چینی تاریخ سے صرف اس قدر پتہ چلتا ہے کہ مچھلی کی شکل کا ایک آلہ اُن کے پاس تھا، جس کو وہ ریاضی کے ایک آلہ کے طور پر استعمال کرتے تھے، عرب جہازرانوں نے پہلی صدی ہجری (سنہ [illegible]) میں اس کو اُن سے لے کر بحری سفر میں سمت معلوم کرنے کا کام لیا، پھر تیرہویں صدی کے بعد رومیوں نے بھی استعمال کیا، اس سے قبل اُن کو اس کا علم نہ تھا، عربوں میں سب سے پہلے تحریری طور پر اس کا ذکر ادریسی (۵۴۹ھ / ۱۱۵۴ء) نے کیا ہے، اس کا حوالہ اپنی کتاب تمدن عرب میں ڈاکٹر گستاؤ لیبان نے دیا ہے، ساتویں صدی کی ابتداء میں محمد عوفی نے جوامع الحکایات میں نوادر اشیاء میں اس کا شمار کیا ہے، جب وہ سندھ سے کھنبائت (گجرات) آیا (۶۳۰ھ)، پھر ساتویں صدی کے وسط (۶۸۱ھ / ۱۲۸۲ء) بیلک قبچاقی اپنی کتاب کنز التجار میں ذکر کرتا ہے کہ

"لوگوں کا بیان ہے کہ وہ ناخدا جو بحر ہند میں جہازرانی کرتے ہیں، وہ بجائے سوئی اور لکڑی کے ٹکڑوں کے ایک قسم کی مچھلی استعمال کرتے ہیں، جو مجوف لوہے سے بنی ہوتی ہے، اور پانی میں ڈالنے سے سطح پر تیرتی ہے، اور اپنے سر اور دم سے شمال اور جنوب کی طرف اشارہ کرتی ہے"

اس بیان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ چینی آہنی مچھلی کی جگہ سوئی والا قطب نما عربوں نے ایجاد کیا تھا، مگر وہ ساتویں صدی کے آخر تک ہندوستانی سمندر میں مستعمل نہیں ہوا تھا، مقریزی (۸۴۵ھ / ۱۴۴۱ء) خطط مصر میں لکھتا ہے کہ

"بحر ہند کے مسافر ہمیشہ ایسی اندھیری راتوں میں جب ستاروں سے رہنمائی نہ ہوتی ہو، جس سے سمت کا حال معلوم ہو سکے، تو وہ مچھلی کی شکل کا مجوف لوہا استعمال کرتے ہیں، اسکو وہ بہت ہی پتلا، اور مچھلی کے منہ میں مقناطیس کی ایک چیز بناتے ہیں، یہ مچھلی جب پانی میں رکھی جاتی ہے تو گھوم کر قطب جنوبی کی سمت رُخ کرتی ہے، اور قطب شمالی کی طرف دم"

اس سے بھی معلوم ہوا کہ نوین صدی کے وسط تک اہل ہند سوئی والے قطب نما سے ناواقف تھے،
یہ قطب نما ایک قسم کی مقناطیسی سوئی ہوتی تھی، جو لکڑی کے دھاریدار ٹکڑے یا نرکل کے ذریعہ
پانی مین تیرتی تھی، قبچاقی نے بحری سفر کے وقت شامی سمندرون مین اس کا استعمال دیکھا تھا، شیخ
شہاب الدین احمد بن ماجد سعدی نجدی "الملقب بہ اسد البحر" اور سلیمان مہری حضرموتی نے اپنی اپنی
کتابون مین اس کا ذکر تصریح سے کیا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ بحر ہند مین اس کا استعمال نوین
صدی کے آخر مین ہوا ہے، ابن ماجد اسد البحر نے تو اپنی تصنیف الفوائد فی اصول البحر مین اس قطب نما
کی ایجاد کا دعویٰ کیا ہے، حالانکہ آپ ابھی قبچاقی (۶۸۱ھ / ۱۲۸۲ء) کا بیان پڑھ چکے ہین، جس نے قطب نما
کی سوئی کا ذکر کیا ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے، کہ اس کے دعویٰ ایجاد کی بنیاد اصل مین ایک دوسری
چیز پر ہے، یعنی وہ اس کو ترقی دیکر موجودہ شکل مین لایا، اور اس کے لئے ڈبیہ کی ایجاد کرکے اس مین
سوئی کو رکھا، جو مقناطیسی اثر سے شمال اور جنوب کی سمت جا کر ٹھہرتی ہے، اسی لئے اس کا نام اس نے
بیت الابر، یعنی سوئی کا گھر رکھا، جو آگے چل کر اسی نام سے مشہور ہوگیا، کیونکہ سوئی، ڈبیہ، اور دائرہ کا
ذکر قطب نما کے بیان مین اس سے پہلے کسی نے نہین کیا، اہل یورپ کو مقناطیسی قطب نما کا علم بندرہوین
صدی عیسوی کے بعد ہوا، اور وہ بجائے نقشون کے اسی کو کمپاس کہنے لگے، کوئی عینی شہادت یورپین
کتابون مین ایسی نہین ملتی جس سے یہ ثابت ہو کر ان کو اس سے قبل اس کا علم تھا، بعض کتابون سے یہ
معلوم ہوتا ہے کہ مشہور سیاح مارکوپولو (۶۹۵ھ / ۱۲۹۵ء) نے مشرقی ممالک کی سیاحت مین اس کو حاصل کر کے
اپنے اہل وطن کو یہ تحفہ دیا، اور بعض قدیم بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ جنگ صلیبی کے فرانسیسی مجاہدون نے
تیرہوین صدی عیسوی مین مشرق سے یہ راز حاصل کر کے اہل یورپ کے سامنے اس کو ظاہر کیا،[۵۴]

اس کے علاوہ اور بھی بہت سے فلکی آلات اور بحری سامان ہوتے تھے، جن کا ذکر غیر دلچسپ اور

[۵۴] عرب جہازرانی ص ۹۵، ۱۰۱، اعظم گڑھ،

طوالت سے خالی نہین، اسد البحر نے اپنی کتاب مین ان کا بہ تفصیل ذکر کیا ہے،

جہازرانون کے لئے ضروری علم جہازرانون کے لئے مندرجۂ ذیل معلومات بے حد ضروری تھے، جس کے بغیر وہ جہازران
نہین بن سکتے تھے،

(۱) علم ہیئت اور ستارون کا علم (۲) طول بلد اور عرض بلد کا علم (۳) ہواؤن کا علم کہ کس
سمندر مین کس موسم مین، کس وقت، کس رُخ کی ہوا چلتی ہے (۴) سمندر کے ہر مقام کا موسم اور فصل اور
اس کے اثرات (۵) مختلف ملکون کا جغرافیہ، اور بندرگاہون کا جائے وقوع، اور خطرناک بحری پہاڑون
اور تنگ بحری راستون کا علم (۶) مختلف آلات فلکی کا عملی استعمال (۷) ملکون شہرون، بندرگاہون، اور
جزیرون اور اُن کے باشندون کی واقفیت (۸) مختلف زبانون سے واقفیت (۹) شمسی مہینون اور
دنون کا حساب (۱۰) مدوجزر کا علم جو سمندرون مین ہوتا ہے،

جہازون کے نام جس طرح آج کل جہازون کے نام ہوتے ہین، اسی طرح اگلے زمانہ مین بھی نام ہوتے
تھے، چنانچہ تغلق کے عہد مین ابن بطوطہ جن جہازون مع مال واسباب خود سوار ہوا تھا، اُن کے نام
ککیر آتی، جاگیر اور منورت تھے[۵۵] ۷۶۷ھ (۱۳۶۵ء) مین الغ خان نے اپنا جو جہاز یمن، مکہ وغیرہ بھیجا تھا، اس کا نام
الغ خانی تھا، اسی پر مشہور عالم ابن ارفع مکی سوار تھے، اس جہاز کا مشہور ناخدا حسن علوان تھا، اسی مین
فقیہ محمد زبیدی بھی تھے، افسوس کہ یہ جہاز ڈوب گیا،[۵۶] اور ایک جہاز عیدروس نامی تھا، جو شحر (عمان)
سے دیو آتے ہوئے ڈوب گیا، اس مین بہت سے سادات حسنی تھے،[۵۷] ایک جہاز کا نام تیز رو رکھا گیا تھا،
محمد آصفی مصنف ظفر الوالہ اس جہاز پر مکہ سے سورت (گجرات) آیا تھا،[۵۸] ایک جہاز کا نام احمدی تھا، جو سورت
سے عرب آتا جاتا تھا،[۵۹] مولوی رفیع الدین صاحب ہوی سورتی جس جہاز پر سوار ہو کر عرب گیے تھے، اس کا

[۵۵] ابن بطوطہ جلد دوم ص ۲۰۳، دہلی [۵۶] النور السافر ص ۲۰۰، بغداد [۵۷] ظفر الوالہ جلد دوم ص ۵۰۰ [۵۸]
حقیقۃ السورت ص ۷۰، بمبئی،

نام سفینۃ الرسول تھا،[ل]

جہازی عملوں کی تنخواہ ان جہازی عملوں کی تنخواہوں کا صاف پتہ کتابوں سے نہیں چلتا، لیکن یہ مسلم ہے کہ ایک جہاز میں سب سے بڑا حاکم خود مختار، ناخدا (ربان یا کپتان) کہلاتا تھا، اور اس کی جو تنخواہ مغلوں کے عہد میں مقرر کی گئی تھی، اس سے ہم اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس کے ماتحت عملہ والوں کی تنخواہ کیا رہی ہوگی، چنانچہ کھنبائت بندر کی ایک جہازی ناخدا کی تنخواہ آٹھ سو روپیہ ماہوار تھی، جیسا کہ ابوالفضل نے آئین اکبری میں لکھا ہے، باقی عملہ چونکہ اس سے کم درجہ کا ہوتا تھا، اس لئے یقین ہے کہ ان کی تنخواہیں اس سے کم ہوتی ہونگی، اور درجہ بدرجہ ملاحوں اور قلیوں تک کم ہوتی جاتی ہونگی، افسوس ہے کہ جہازی مسافروں نے اپنے سفرناموں میں اس کی طرف کم توجہ کی ہے، اصل یہ ہے کہ ناخدا کو تنخواہ کی پرواہ بھی نہیں ہوتی تھی کیونکہ وہ خود بھی تجارت کیا کرتا تھا، کبھی اپنا مال ساتھ لے لیتا، اور کبھی کسی دوسرے تاجر کا وکیل (ایجنٹ) بنجاتا، اور کسی ایسے بندر پر جہاں نفع معقول ہو، فروخت کر دیتا، چنانچہ الف لیلہ اور دوسری کتابوں کے پڑھنے سے جو بحری سیاحوں نے لکھی ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ ناخدا عام طور پر یہ کام کرتے تھے،

گجراتی سواحل سے آمد و رفت اگرچہ اوپر تحریر کیا جا چکا ہے کہ گجرات سے عرب، ایران، افریقہ، لنکا وغیرہ جہاز آتے جاتے تھے، لیکن سلیمان مہری نے نویں صدی ہجری (پندرہویں عیسوی) میں جو کتاب لکھی ہے، اس میں خاص طور پر ایک فہرست دی ہے، اس سے صرف گجرات کے متعلق اس کی تحریر کی نقل کی جاتی ہے:

دیول (سندھ) سے دیو، دیو سے مسقط، کھنبائت سے عدن، دیو سے ملاگا، دیو سے چاٹگام (بنگالہ)، زیلع (حبشہ) سے گجرات (دیو یا کھنبائت) براوہ سے گجرات، عدن سے گجرات، قشن سے گجرات، ظفار (یمن) سے گجرات، قلہات سے گجرات، دیو سے شتقاص،

ل سفرنامہ حرمین بحوالہ عربوں کی جہازرانی ص ۱۹۶، ۵۲ آئین اکبری جلد اول ص ۱۴۵،

دیو سے شحر اور عدن، مہائم سے عرب،[۵۳]

یہ وہ مقامات ہیں جہاں سے بکثرت آمد و رفت رہتی تھی، ورنہ کھنبائت، دیو، بھروچ، مہائم وغیرہ سے بصرہ، سیراف، قطیف، لنکا، مدراس (معبر) کالی کٹ، بنگالہ، جاوہ، سماٹرہ تک جہاز جاتے تھے، لیکن جاوہ سماٹرا جانے والے جہاز... زیادہ تر وہ ہوتے تھے، جو چین جاتے تھے، اور میرا خیال ہے کہ یہ جہاز زیادہ غیر ملکی (عرب) ہوتے تھے، میری نظر سے کوئی ایسی تحریر نہیں گذری جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ خاص گجراتی جہاز چین گئے ہوں،

بحری راستے اور مسافت گجراتی جہاز اصل منزل مقصود تک پہنچنے میں کن کن بندروں پر قیام کرتے تھے، اور اُن کی کیا مسافت تھی، اس کا پتہ چلنا مشکل ہے تاہم مسافروں کے سفرناموں سے جو کچھ اخذ کیا جا سکا ہے، وہ مندرجہ ذیل ہے:

بصرہ یا سیراف سے جب جہاز روانہ ہوتا، تو سب سے پہلے جزیرہ خارک ملتا، جو پچاس فرسخ یعنی ۱۵۰ میل کے فاصلہ پر تھا، خارک سے اسی فرسخ پر جزیرہ لاوان، اور یہاں سے سات فرسخ پر جزیرہ ابرون، پھر سات فرسخ پر جزیرہ خین تھا، یہاں سے سات ہی فرسخ پر جزیرہ کیس (قیس) اور آٹھ فرسخ پر جزیرہ ابن گاوان، اور سات فرسخ پر جزیرہ ہرمز تھا، یہاں سے سات دن کے فاصلہ پر مقام "تارا" تھا، جو سندھ کا سرحدی علاقہ تھا، اس لئے جو جہاز سندھ ہو کر جانا چاہتا، تو یہاں سے سندھ کے مشہور بندر دیبل جاتا، پھر وہاں سے گجرات کا رُخ کرتا، لیکن جو جہاز براہ راست جانا چاہتا، تو وہ ہرمز سے چل کر پہلے کچھ کی بندرگاہ پر ٹھہرتا، پھر یہاں سے سومنات، سومنات سے دیو، دیو سے کھنبائت (یا گوگھ) اور پھر یہاں سے بھروچ جاتا، اور بھروچ سے دمن (یا راندیر، سورت) اور وہاں سے مہائم، پھر تھانہ،[۵۴] سومنات سے کھنبائت تین فرسخ، یہاں سے بھروچ تیس فرسخ، اور سوپارہ چھ فرسخ؟ اور تھانہ پانچ فرسخ تھا، پھر مور، دلسبی پور کا

۵۳ ہ قلادۃ الشموس ۵۴ المسالک والممالک لابن خرداذبہ، ص ۱۰۶۲، ۵۴ کتاب الہند بیرونی،

در ودمین بھی جہاز ٹھہرتے تھے،

درآمد | ان جہازون کے ذریعہ غیر ملک سے گجرات مین کیا کیا چیزین آتی تھین، اُن کی صحیح فہرست بتانا تو مشکل ہے، لیکن مختلف کتب کے مطالعہ سے جو معلوم ہو سکا وہ حسب ذیل ہے،

قدیم زمانہ مین مصر اور عرب سے سونا، روپا، پیتل، قلعی، سیسہ، پارہ، سرمہ، کانچ، پکھراج، مونگا، شراب، کپڑہ وغیرہ آتا تھا، ایران سے غلام، لونڈیان، سونا، موتی، کھجور، شراب اور کپڑا تاجر لاتے تھے، افریقہ سے سونا لاکر بھروچ مین اُتارتے، مالابار، اور لنکا سے مصالحہ آتا تھا، کھنبایت مین سونا، روپا، تانبہ، گھوڑا، سرمہ اور چمڑا لاتے تھے[1]،

بہادر شاہ کے عہد مین (۹۳۶ھ ۔ ۱۵۳۰ء) دیو مین گلاب، پستہ، مویز لاکر اُتارتے نظر آتے ہین، اسلحہ، گھوڑے، ریشم کے کپڑے اور قالین وغیرہ بھی،

برآمد | بحری راستہ سے یہان کی جو چیزین تاجر باہر لیجاتے، اس کی مکمل فہرست بھی دستیاب نہین ہوئی، کچھ اشیاء کے نام مندرجۂ ذیل ہین،

کھنبایت سے سونٹھ، کپاس، گوگھل، خوشبودار اشیاء، شکر، نیل، باریک کپڑہ، لاکھ، آلہ، جوتا، ریشمی کپڑے، عرب، ایران، اور افریقہ جاتے تھے، بھروچ سے چاول، بیج، تل، روئی، شکر، لاکھ، ململ اور دوسرے اعلیٰ درجہ کے کپڑے، عرب اور مصر جاتے تھے، پیتل، سنگھ، صندل، اور دوسری قسم کی لکڑی ایران جاتی تھی، لاکھ بھی یہان سے بہت برآمد ہوتی تھی، کھنبایت سے اعلیٰ درجہ کے جوتے، اور ہاتھی دانت جاتا تھا، تھانہ کے کپڑے مشہور تھے، جن کو عرب بکثرت لیجاتے تھے، کھنبایت اور بھروچ سے ساگوان کی لکڑی بصرہ بھی جاتی تھی، بندر، طوطا، اور مور فلسطین تک تاجر لیجاتے تھے، کاغذ اس ملک کا خاص تحفہ تھا، جو عرب، شام، مصر تک جاتا تھا، اور لوگ اوس کو بہت پسند کرتے تھے[2]،

[1] گجرات، امرو شنکر، ص ۲۵۱ و ۳۰۵ [2] مقدمہ مرأۃ احمدی،

سولھوین صدی سے اٹھارھوین صدی عیسوی (۱۵۰۰ء تا ۱۸۰۰ء) تک ابریشم، زردی، زربفت، مخمل، کمخواب، مشروع، تلوار، جمدھر، تیر و کمان، مروارید، مرجان، گجرات سے باہر جاتے تھے، البتہ چاندی ایران اور روم سے آتی تھی[3]، قاضی مرتضیٰ حسن بلگرامی لکھتے ہین کہ

"احمد آباد گجرات مین قلمدان، صندوقچہ، پارچہ زرتار، کمربند، کمخواب، زربفت، مشروع، تافتہ، ٹاٹ بند، اور مخمل بہت اعلیٰ درجہ کا بنتا ہے، اور تلوار، جمدھر، تیر و کمان بھی اس جگہ کی مشہور ہے، مین نے خود اپنی آنکھ سے ان سب کو دیکھا ہے، واقعی بے نظیر ہین[4]، انھی ایام مین سرخیز (سرکھیج) سے بکثرت نیل باہر بھیجی جاتی، عرب کے علاوہ یورپ مین بھی اس کی بہت مانگ تھی[5]،

سولھوین صدی کے آخر مین تمباکو کی کاشت گجرات مین بہت ہوتی تھی، ۱۰۴۲ھ/۱۶۳۲ء مین سورت سے تمباکو جہازون مین بھر کر باہر جاتا تھا، چنانچہ ۱۰۳۰ھ/۱۶۲۰ء مین مخا (یمن) اور اراکان بھیجا گیا تھا[6]،

گجراتی جہاز رانون کے نام | گجراتی جہاز رانون کے نام کا شمار مشکل ہی، کیونکہ سلطان احمد کے عہد سے مستقل طور پر سرکاری بحری بیڑا نظر آتا ہے، جس مین مسافری، تجارتی، اور جنگی جہاز سب شامل ہین، اور ہر جہاز پر متعدد افسر ہوتے تھے، سلطان مظفر ثانی کے عہد مین ایک ہزار مسافری اور ایک سو تجارتی جہاز کی سالانہ آمد و رفت تھی، اور دو سو مستقل جنگی جہاز بندر دیو مین رہتے تھے، اسی طرح بھروچ، راندیر، سوپارہ، چیمور، تھانہ، کھمبائت وغیرہ مین جہاز آتے جاتے رہتے، ان جہازون کے مالک زیادہ تر گجراتی تھے، ان مین کچھ تو اصلی گجراتی تھے، اور بڑی تعداد ان عربون اور ایرانیون کی تھی، جو گجرات مین آکر بس گئے تھے، اب اگر ہر بندر کے شاہ بندر، امیر البحر، ناخدا، ربان (کپتان)، معلم ہی کو لے لیا جائے، تو کوئی ہزار نام ہون گے، ان مین سے چند لوگون کے نام جو آٹھوین نوین دسوین اور بارھوین صدی ہجری کے ہین، پیش کئے جاتے ہین، کتابون تک مین اُن کے نام آجانے سے کل

[3] چہار گلشن قلمی مصنفہ رائے چترمن منقولہ ۱۱۷۳ھ [4] حدیقۃ الاقالیم اقلیم دوم قلمی، کتب خانہ راجہ سلیم پور لکھنؤ
[5] ظفر الوالہ جلد اول ص ۲۲۸ [6] معاشی حالات ہند، ص ۱۱۶،

پتہ چلتا ہے کہ یہ سب اپنے وقت کے بہترین ماہرفن تھے، ان میں سے شاہ بندر اور امیر البحر کے کچھ نام اوپر تحریر کئے جا چکے ہیں، دوسرے بعض افسروں کے نام مندرجۂ ذیل ہیں،

نویں صدی ہجری میں اسماعیل نائتہ ناخدا مشہور شخص تھا، اسی شہرت کے باعث اس کو آخر میں شاہ بندر بنا دیا گیا تھا، آٹھویں صدی ہجری میں ابراہیم ناخدا بڑا نامور تھا، اس کے متعدد ذاتی جہاز تھے، اس کے بھائی کے پاس بھی کئی جہاز تھے، جو گندھار (گجرات بھروچ) سے چین تک جاتے تھے، ۷۲۱ھ / ۱۳۲۱ء میں معلم حسن تھا، جو نادیر (راندیر متصل سورت) سے عرب جایا کرتا تھا،

نویں صدی میں موسیٰ مندل حبشی ناخدا تھا، جو اپنے وقت کا بڑا ماہرفن تھا، اس کے جہاز بھی زیادہ تر عرب جاتے تھے، معلم حیوۃ المہری بھی مشہور معلم تھا، ظفر الوالہ کے مصنف نے اس کا خاص طور سے نام لیا ہے، یہ دسویں صدی ہجری میں تھا، اور گجرات سے عرب جانے والوں جہازوں میں رہتا تھا، اسی صدی کا مشہور ناخدا محمد عیسی ہے، یہ بھی زیادہ تر عرب کے جہازوں سے تعلق رکھتا تھا، ۹۷۳ھ / ۱۵۶۵ء میں حسن علوان مشہور ناخدا، الغ خان کے جہاز پر تھا، جو جہاز ڈوب جانے سے وفات پا گیا، تقریباً ۱۱۵۰ھ میں شیخ داکو (داکور) مشہور معلم اور مصنف تھا، ۱۱۹۶ھ / ۱۷۸۱ء کے قریب عنایت (عنایت اللہ) شیخ مذکور کا لڑکا بھی بہت بڑا معلم تھا، جزیرہ بمبئی میں اس کا قیام تھا،

بحری تصانیف گجرات کے کن کن لوگوں نے جہازرانی کے متعلق کتابیں لکھی ہیں، افسوس ہے کہ اس کے متعلق صحیح معلومات ناظرین کو نہیں بہم پہنچا سکتا، لیکن بعض کتابیں نظر سے گذری ہیں جن سے قیاس ہوتا ہے، کہ اس فن پر دوسرے گجراتی ماہرین فن نے بھی ضرور کتابیں لکھی ہوں گی، ہندوستان پر برٹش گورنمنٹ کے قبضہ، اہل ملک کی ناقدردانی، اور یورپین جہازرانی کی اعلیٰ تعلیم نے اس قسم کی قدیم تصنیفات کو ضائع کر دیا، ان میں سے جو بچی کھچی کتابیں ادھر ادھر کتب خانوں میں باقی رہ گئی ہیں، انہی میں سے ایک کتاب سندھی یا کوکنی زبان میں ہے، راقم الحروف جب ۱۹۳۱ء میں بغرض تحقیقات علمی بمبئی گیا ہوا تھا، تو جامع مسجد

بمبئی کے کتب خانہ میں دو کتابیں نظر سے گذری تھیں، پہلی کتاب خط نسخ میں تھی، لیکن عجلت کے باعث یہ نہ معلوم کر سکا کہ وہ سندھی میں ہے یا کوکنی میں،

یہ کسی عربی کتاب کی شرح معلوم ہوتی تھی، اور اول سے ناقص بھی تھی، بعض مقامات پر عربی زبان بھی استعمال کی گئی ہے، مثلاً معرفۃ ابعاد الکواکب المشہور عند الجمہور بعد ابجا، عن نقطۃ الکرۃ، سبع دشمانون درجۃ ہر عنوان سرخی سے "معرفت" کے لفظ سے قائم کیا گیا ہے، ایک جگہ "صحیح قول معلم سلیمان" مرقوم تھا، بعض جگہ فارسی بھی استعمال ہوئی تھی، اس کتاب میں بحری فاصلہ بھی سرگہ کا بتایا گیا ہے، جزیروں کے نام بھی دیئے ہیں افسوس ہے کہ مصنف یا کاتب کسی کا نام بھی نہیں، اندرونی شواہد سے قیاس کیا جا سکتا ہے، کہ یہ کتاب ۱۲۰۰ھ تک کی تصنیف ہے،

دوسری کتاب خط نسخ میں ہے، اس کا حجم معقول ہے اور مکمل ہے، اس کی زبان سندھی یا کوکنی ہے جو فارسی کے ساتھ مخلوط ہے، اس کا کاتب آخر میں لکھتا ہے:-

"کاتبہ و مالکہ فقیر الحقیر پر تقصیر معلم غایت، بن معلم شیخ داکو (ڈاکور) در جزیرہ بمبئی، ماہ رجب"،

سنہ کا پتہ نہیں چلا، اندرونی شہادت سے ۱۱۹۶ھ / ۱۷۸۱ء معلوم ہوتا ہے، غالباً یہ کتاب کسی سے منقول ہے، کیونکہ بے قاعدہ شروع کی گئی ہے، اور درمیان درمیان میں کچھ روزنامچہ بھی آ جاتا ہے، بہت ممکن ہے کہ یہ معلم شیخ غایت کا سفینہ (نوٹ بک) ہو،

تیسری کتاب کوکنی (یا گجراتی) زبان میں تھی، جو ۱۹۳۰ء / ۱۳۴۹ھ میں جناب یوسف کٹکھٹے صاحب بی اے ناظم جامع مسجد بمبئی کے پاس تھی، لیکن اُن کی وفات کے بعد اس کتاب کا پتہ نہیں چلا[1]، ان کی جمع کردہ کتابیں بمبئی یونیورسٹی نے خرید لی ہیں،

---

[1] عربوں کی جہازرانی ص ۱۹۸،

یہ وہ کتابین ہین، جو اتفاقیہ نظر سے گذرین، ورنہ اگر خاص طور سے اس کی تلاش کی جائے تو اور بھی کتابین نکل سکتی ہین، خصوصًا ان خاندانون مین جن مین آج سے پچاس برس قبل معلم موجود تھے، چنانچہ ایک خاندان سورت مین آج بھی "مالم" کے نام سے موجود ہے، جو تجارت کرتا ہے، ابن ماجد نجدی نے پچیس کتابین اس فن پر لکھی تھین، ان مین سے ایک کا نام "قصیدہ مکیہ" ہے، اس مین مکہ، جدہ، کالی کٹ، دیول، کوکن، گجرات، اور ہرمز کے بحری حالات درج کئے ہین، یہ ۸۹۵ھ / ۱۴۹۰ء کی تصنیف ہے، سلیمان مہری نے بھی تحفۃ الفحول فی تمہید الاصول مین خلیج فارس، بحر عرب، اور بحر ہند کے جزیرون اور بندرون کا مفصل ذکر کیا ہے، ستارون کی سمت بھی بتلائی ہے، مدراس، گجرات، سندھ، بنگالہ کے بندرگاہون کا حال تشریح سے لکھا ہے، یہ ۹۱۷ھ / ۱۵۱۱ء کی تصنیف ہے، ایک اور کتاب العمدۃ المہریہ مین یہ بھی بتایا ہے، کہ کن کن بندرون سے کہان کہان جہاز جاتے ہین، مثلاً زیلع، عدن، بربرہ، کشن، خلفات، یمن، کھمبات سے گجرات کی بندرگاہون مین ہمیشہ سال بھر جہازون کی آمد و رفت رہتی ہے، اسی طرح دیو، مہائم، کھنبائت سے غیر ملکون کو جہاز روانہ ہوتے ہین[1]،

بحری کتابون کے مضامین ان بحری تصنیفات مین کیا مضامین ہوتے تھے، اس کا مختصر حال ناظرین کی دلچسپی کے لئے درج کیا جاتا ہے،

چاند کی منزلین، برجون کی تقسیم، جہاز کے متعلق ضروری معلومات، ستارون کی مشہور شکلین، ریاضی اور فلکی علوم کی ضرورت، متفرق قسم کی ہواؤن کا بیان، جہاز کے انتظامات، سواحل کے حالات، ستارون سے ملکون کی شناخت اور تین قسم کے جہازرانون کی ضرورت، مشہور جزیرون، اور موسمون کا بیان، مختلف قومون کی جنتریان، بحر ہند کے سواحل، بحر محیط کا بیان، دنیا کے مختلف سمندرون، اور اُنکی شاخون کا بیان، اور ہر ایک کے پانی کا رنگ، فرہ، بر وغیرہ کی شناخت، تقویم، جس مین شب و روز

[1] عربون کی جہازرانی ص ۱۹۲،

کے اوقات اور طوفان کی آمد کا حساب، قبلہ کا تعین، قطب نما کا علم، بعض بحری آلات اور بعض ضروری فلکی آلات، متفرق بحری و فلکی مباحث، جہازرانون کے بعض اصطلاحات کی تشریح، ستارون کے نام قطب شمالی، جاہ، فرقد، ہنخ کو دیکھ کر، اور انگو پر ہاتھ رکھ کر مسافت دریافت کرنا، خشکی کی علامتون کا بیان، مینارہ، یعنی لائٹ ہاؤس کے مقامات کا علم،

یورپ کا پہلا جہاز گو جدید تحقیقات سے پتہ چلتا ہے کہ رومن امپائر کے جہاز کالی کٹ آتے تھے، کچھ سکّے بھی برآمد ہوئے ہین، لیکن اُن کے زوال کے ساتھ اُن کی آمد و رفت بھی بند ہوگئی، اور پندرھوین صدی عیسوی تک، پھر کوئی جہاز یورپ سے ہندوستان نہین آیا، ناظرین کو یہ معلوم کرکے حیرت ہوگی کہ دسوین صدی ہجری (سولھوین صدی عیسوی) مین پرتگالی جہاز جو یورپ کا سب سے پہلا جہاز تھا، اسکو ہندوستان لانے والا بھی گجراتی تھا، جس کا اصل وطن، نجد (عرب) تھا، اس کا نام ناخدا معلم احمد بن ماجد ہے، یہ بحر بربرا سے لیکر بحر ہند، بحر عرب، بحر احمر، اور بحر فارس تک کا سب سے بڑا تجربہ کار جہازران اور جہازرانی کے علوم اور آلات کا سب سے بڑا واقف کار تھا، یہی واسکو دی گاما (پرتگیز) کو راستہ بتا کر ہندوستان لایا تھا، اس واقعہ کو عرب اور پرتگیزی مورخین دونون تسلیم کرتے ہین، چنانچہ گجرات کا مشہور عالم قطب الدین نہروالی (پٹنی) البرق الیمانی مین لکھتا ہے، کہ

"دسوین صدی ہجری کے شروع مین جو عظیم الشان واقعات پیش آئے، ان مین ایک فرنگی اقوام مین سے پرتگالی قوم کا ہندوستان کے دریا مین پہنچنا ہے، ان مین سے ایک گروہ تنگنائے سبتہ (اسپین) سے سمندر مین سوار ہوتا تھا، اور بحر ظلمات (اٹلانٹک) مین سے ہوکر ان جبال قمر کے پیچھے آجاتا تھا، جو دریائے نیل کا منبع ہین، اور مشرق مین اس مقام پر پہنچ جاتا تھا، جو ساحل سے قریب ایک تنگنائے مین ہے، جس کے ایک طرف پہاڑ اور دوسری طرف بحر ظلمات ہے، جہان موجین بہت شدید تھین، اور اُن کے جہاز وہان نہین ٹھہر سکتے تھے، اور ٹوٹ جاتے تھے، اور اُن مین سے کوئی نہین بچتا تھا، وہ اسی طرح

اس مقام پر تباہ ہوتے رہے، اور ان مین سے کوئی بجگیر بحر ہند مین نہین پہنچ سکا، یہان تک کہ جہازرانون مین سے ایک ماہر شخص نے جس کا نام احمد بن ماجد تھا، اُن کی رہنمائی کی، ان فرنگیون کے افسر نے جس کو (الميرانتي یعنی امیر البحر) کہتے تھے، اس کو اپنے ساتھ لیا، اور نشہ مین اس سے بے تکلفی کی صحبت رکھی، چنانچہ اُس نے نشہ کی حالت مین اس کو راستہ بتا دیا، اور اُن سے کہا کہ پہلے ساحل کے قریب مت جاؤ، بلکہ سمندر مین گھستے جاؤ، اور پھر لوٹو، تب سمندر کی موجین تم کو نہ پائین گی، جب اُس نے اس پر عمل کر لیا، تب ابن ماجد ہوش مین آگیا، اس کے بعد پرتگالیون کے بہت سے جہاز بحر ہند مین یکے بعد دیگرے پہنچ گئے، اور انھون نے گوا مین اپنا بحری مرکز بنایا،

اس سے زیادہ واضح طور پر خود واسکو دی گاما کے ہمراہیون مین سے ایک "بروس" نامی نے لکھا ہے، وہ کہتا ہے کہ:

جب واسکو دی گاما مالندی مین تھا، تو کھنبائت واقع گجرات کے چند بنیے (تاجر) امیر البحر سے ملنے آئے، اُن کے ساتھ گجرات کا ایک مور (عرب مسلمان) بھی تھا، جس کا نام مالیموکنا، تھا، (معلم کنکا) یہ اسد البحر ابن ماجد معلم کا ہندوستانی عرف تھا، یہ شخص اس لطف کے خیال سے جو اس کو ہمارے آدمیون کی صحبت مین ملتا تھا، نیز بادشاہ (مالندی) کو خوش کرنے کی غرض سے جو پرتگالیون کے لئے جہاز کے ایک رہنما کی تلاش کر رہا تھا، (ہندوستان کا راستہ دکھانے کے لئے) ان کے ساتھ جانے پر راضی ہو گیا، اور اس سے باتین کرنے کے بعد واسکو دی گاما کو اُس کی واقفیت کی نسبت بہت اطمینان ہو گیا، خصوصاً جب اس مور نے اس کو ہندوستان کے پورے ساحل کا ایک نقشہ دکھایا، جو قوم مور (عرب مسلمانون) کے نقشون کی طرح خطوط نصف النہار اور خطوط متوازی کی ترتیب کے ساتھ بہت مفصل طور پر بنا ہوا تھا، لیکن اس مین ہواؤن کے رُخ کے نشانات نہ تھے، چونکہ جو مربعے ان خطوط نصف النہار و خطوط متوازی سے بنے تھے، وہ بہت چھوٹے تھے، اس لئے ساحل کی جو راہ خطوط نصف النہار کو قطع کرنے والے خطوط شمال و جنوب

و مشرق و مغرب سے معلوم ہوتی تھی، وہ بہت صحیح تھی، اور اس نقشہ پر ہواؤن کے رُخ کے نشانات بھی زیادہ نہ تھے، جیسا کہ ہمارے پرتگالی نقشون مین ہوتے تھے، اور دوسرون کے لئے بنیاد کا کام دیتا تھا،

واسکو دی گاما نے اس مور (مسلمان عرب) کو لکڑی کا وہ بڑا اصطرلاب جو اس کے پاس تھا، اور دھات کے بنے ہوئے چند اور اصطرلاب بھی دکھائے، جن سے آفتاب کی بلندی کا اندازہ کیا جاتا تھا، مور نے ان آلات کو دیکھ کر کسی حیرت کا اظہار نہین کیا، اس نے بتایا کہ بحر احمر کے عرب جہازران آفتاب کی اور ستارہ قطب کی بلندی کا تخمینہ کرنے کے لئے جس سے وہ جہازرانی مین بہت زیادہ کام لیتے ہین، ایسے آلات استعمال کرتے ہین، جن کی شکل مثلث، اور مربع دائرہ کی ہوتی ہے، اُس نے یہ بھی کہا کہ وہ خود اور کھنبائت (گجرات) اور تمام ہندوستان کے جہازران بعض جنوبی و شمالی، اور بعض دوسرے خاص ستارون کی مدد سے جو آسمان مین مشرق سے مغرب تک پھیلے ہوئے ہین، جہازرانی کرتے ہین، وہ لوگ آفتاب کی بلندی کا اندازہ اس قسم کے آلات سے نہین کرتے تھے، جیسے واسکو دی گاما نے اُسے دکھائے تھے، بلکہ ایک دوسرے آلہ سے جسے وہ خود استعمال کرتا تھا، اور واسکو دی گاما کو دکھانے کے لئے وہ آلہ فوراً لایا، یہ آلہ تین تختیون کا بنا ہوا تھا، غرض اس گفتگو کے بعد جو ان لوگون نے اس جہازران سے کین، واسکو دی گاما کو یہ احساس ہوا کہ اس نے ایک بڑا خزانہ پا لیا، اور یہ خیال کر کے کہ کہین وہ اس کے ہاتھ سے نکل نہ جائے، جس قدر جلد ممکن ہوا، لنگر اٹھا دیا، اور ۲۴ اپریل ۱۴۹۸ء (۹۰۴ھ) کو ہندوستان روانہ ہو کر کالی کٹ پہنچ گیا؛[1]

---

[1] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام مقالہ شہاب الدین بحوالہ عربون کی جہازرانی ص ۶۴،۶۳

دولت شاہ

اور

اس کا تذکرۃ الشعراء

از

جناب قاضی محمد ابراہیم صاحب استاد فارسی اسماعیل کالج بمبئی

امیر تیمور کے بیٹے اور جانشین شاہ رخ کا چہل سالہ عہدِ حکومت ایران کی سیاسی تاریخ میں ایک نہایت شاندار عہد ہے، ملک میں ہر طرف امن و خوشحالی کا دور دورہ تھا، اور علماء و شعراء کی قدردانی میں بادشاہ اور اُس کے امراء بہت کشادہ دلی سے حصہ لیتے تھے، شاہ رخ کے بیٹے مرزا الغ بیگ[1] اور بایسنغر علم و فن کی تربیت اور سرپرستی میں شہرۂ آفاق تھے، سمرقند میں الغ بیگ نے ایک عالیشان مدرسہ کی بناڈالی تھی جس میں دولت شاہ کے زمانہ میں سو سے زیادہ طالب علم وظیفہ خوار تھے، بایسنغر مرزا کا نامہ شاہنامہ کے دیباچہ کے لئے مشہور ہے، جو اسی شہزادے کے حکم سے لکھا گیا تھا، تیموری شہزادے صرف علم و شعر کے قدردان ہی نہیں تھے، بلکہ خود بھی شعرگوئی کا بہت اچھا ذوق رکھتے تھے، چنانچہ دولت شاہ نے اپنے تذکرہ میں سلطان خلیل کے وہ اشعار نقل کئے ہیں، جو اُس نے قید کی حالت میں شاہ رخ کے پاس بھیجے تھے، ایک دوسری جگہ دولت شاہ ابوالقاسم بابر کی ایک غزل بھی درج کرتا ہے[2]، یہ تیموری شہزادے کتابیں جمع کرنے کے بھی بڑے شوقین تھے، ان کی کتابت، شیرازہ بندی، اور تصویر کشی کے لئے اُن کے عملے میں بہترین خطاط، جلد ساز اور مصور ملازم رہتے تھے،

---

[1] تذکرۃ الشعراء لاہور ایڈیشن ص ۳۶۲، [2] ایضاً ص ۳۹۷،

تیموری شاہزادہ سلطان حسین بھی علم و فن کی قدردانی میں اپنے بزرگوں سے کسی طرح پیچھے نہ تھا، اس کے عہد میں دارالخلافہ ہرات کی علمی شان وہی تھی، جو سلطان محمود کے عہدِ حکومت میں غزنی کی تھی، اُس کے دربار میں علماء و شعراء کا جمگھٹا تھا، وہ خود بھی کبھی کبھی شعر کہہ لیا کرتا تھا، علم و فضل کی قدردانی میں بادشاہ سے بڑھ کر اس کا وزیر امیر علی شیر نوائی تھا، جس کے چشمۂ فیض سے سینکڑوں علماء و شعراء سیراب ہوتے تھے، اس زمانہ میں خطاطی اور مصوری کے بڑے بڑے استاذ گذرے ہیں، مثلاً شاہ مظفر، بہزاد، سلطان علی مشہدی، اور اس کے شاگرد، بہزاد کے متعلق بابر اپنی واقعات بابری میں رقمطراز ہے،

"بہزاد کار مصوری را بسیار نازک می کرد، اما چہرہ آدم بی ریش را بدی کشادہ، غبغب را بسیار کلان می کشید، آدم ریش دار را خوب چہرہ گشائی می کرد"[1]

تاریخ رشیدی کا مصنف بھی بہزاد کو اس فن کا استاد تصور کرتا ہے، شاہ مظفر کے متعلق واقعات بابری میں لکھا ہے کہ کم عمری ہی میں شاہ مظفر نے اس فن میں خوب ترقی کر لی تھی،

"دیگر شاہ مظفر بود، تصویر را بسیار نازک می کرد، عمر بسیار نیافت، در کمال ترقی از عالم رفت"[2]

یہی مصنف مظفر کی بابت لکھتا ہے کہ وہ استاد منصور کا بیٹا ہے، اور فنِ مصوری میں اس کا ہم پلہ کوئی نہیں، اس کی مصوری کی ملاحت و پختگی کو دیکھ کر آنکھیں خیرہ ہو جاتی تھیں،[3]

اس عہد کے مشہور شعراء یہ ہیں، جامی، آصفی، سیفی بخاری، میر حسن معمائی، ہلالی، بنائی وغیرہ، اس عہد کے علماء و شعراء کا تذکرہ واقعات بابری، تاریخ رشیدی، حبیب السیر، تحفۂ سامی، اور مجالس النفائس میں ملتا ہے، انگریزی میں پروفیسر براؤن نے ایران کی ادبی تاریخ کے تیسرے حصہ میں اس علمی و ادبی ترقی کی مفصل داستان سپردِ قلم کی ہے،

دولت شاہ کے حالاتِ زندگی کے دو ماخذ ہیں، ایک تو اس کی اپنی تصنیف تذکرۃ الشعراء اور دوسری

---

[1] انتخاب از واقعات بابری، اورینٹل کالج میگزین لاہور ۱۹۳۶ء، [2] ایضاً، [3] انتخاب از تاریخ رشیدی،

مجالس النفائس جو تیموری دور کے مشہور و معروف مربّی علم و ادب وزیر امیر علی شیر نوائی کی تالیف ہے اگرچہ امیر علی شیر نوائی اس کا ہمعصر تھا، تاہم اُس نے بہت ہی اختصار سے کام لیا ہے، حتیٰ کہ دولت شاہ کے حالات اُس نے بہ مشکل آٹھ یا دس سطروں میں قلم بند کئے ہیں، اس سے صرف اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ دولت شاہ امیر فیروز کا عمزاد بھائی اور امیر علاء الدولہ اسفراینی کا بیٹا تھا، دولت شاہ کا باپ جیسا کہ تذکرہ سے پتہ چلتا ہے، شاہرخ سلطان کا درباری تھا، ایک بار جب بارش قطعی نہیں ہوئی، اور لوگوں نے جمع ہو کر بارش کیلئے دعا مانگی، تو ان لوگوں میں علاء الدولہ اور شاہرخ سلطان بھی تھے[1]، دولت شاہ کا بھائی امیر رضی الدین علی بھی دربار شاہی کا اہم رکن تھا،

دولت شاہ منصور قرابوغہ کے ذکر میں لکھتا ہے کہ امیر رضی الدین کو شعر و شاعری میں بھی دخل تھا، اور وہ فارسی اور ترکی میں شعر کہتا تھا، چنانچہ دولت شاہ نے اس کی یہ غزل نقل کی ہے،

میکنی جور و جفا جانان مکرر باش گو — آخر این غم بر سر غمہاے دیگر باش گو
ناوکم در سینہ و در دست تیغ آئی بقتل — سہل باشد جانِ من این نیز بر سر باش گو
عاشقان را چون میسر نیست در عالم مراد — دولتِ وصلِ بتان ہم نامیسر باش گو
با خیالش ساختے در منظر جان خلوتیست — نیست جز جان محرمے ان نیز در بر باش گو
حاکمی تا آب و باد و خاک را باشد دوام — سلطنت بر شاہ بابر خان مقرر باش گو

مجالس النفائس کے بیان سے معلوم ہوتا ہے، کہ دولت شاہ خوش مزاج اور درویش صفت آدمی ہونے کے ساتھ ہی ساتھ قناعت پسند بھی تھا، اگرچہ اُس کے آبا و اجداد بادشاہ وقت کے دربار میں اعلیٰ عہدوں پر رہ چکے تھے، لیکن اوس نے کچھ اور ہی طبیعت پائی تھی، اسے درباری زندگی سے کوئی خاص دلچسپی نہ تھی، اپنی جاگیر کی قلیل آمدنی پر قناعت کر کے کسب فضائل و کمالات میں ہمہ تن مصروف رہا، اور پچاس

---

[1] تذکرۃ الشعراء ص ۲۶۹ [2] ایضاً ص ۳۱۲،

سال کی عمر میں اس نے تذکرۃ الشعراء جسے مجالس النفائس[3] میں مجمع الشعراء کے نام سے یاد کیا گیا ہے، مکمل کیا، دولت شاہ کی خلوت پسندی کا ذکر کرتے ہوئے امیر علی شیر نوائی رقمطراز ہے،

"واز امارت و عظمت کہ آئین آبا و اجداد او بود گذشت و سررشتہ فقر و قناعت و عفت بدست آورد و مدت ایام زندگی کہ نقد عمر عبارت ازان است بہ کسب فضائل و کمالات کہ زیب و زینت انسان است صرف کرد"

دولت شاہ کے باپ اور چچیرے بھائی کا ذکر کرتے ہوئے نوائی لکھتا ہے،

"امیر دولت شاہ عمزادہ امیر فیروز شاہ و پسر امیر علاء الدولہ اسفرائنی است، کمنت و عظمت امیر فیروز شاہ اظہر من الشمس است، امیر علاء الدولہ نیز مرد اہل بود اما دماغش پریشان شدہ و امیر دولت شاہ بسیار جوانی خوش طبع و درویش صفت و بصلاحیت است"

دولت شاہ کی تاریخ ولادت کا پتہ کسی تاریخ یا تذکرہ میں تلاش کرنا بے سود ہے، نہ خود دولت شاہ نے اس کا کہیں ذکر کیا ہے، اور نہ مجالس النفائس میں اس کا کہیں سراغ ملتا ہے، البتہ مقدمۂ تذکرۃ الشعراء سے پتہ چلتا ہے کہ دولت شاہ نے پچاس سال کی عمر میں تذکرۃ الشعراء کو پایۂ تکمیل کو پہنچایا، مرآۃ الصفا کا مصنف دولت شاہ کی تاریخِ وفات ۹۰۰ھ ہجری بتاتا ہے، یہ دونوں باتیں سنہ ولادت کے معلوم کرنے میں بہت حد تک معاون ہیں، اس طرح دولت شاہ کی تاریخ ولادت تقریباً ۸۴۲ھ ہجری ہونی چاہئے،

اس کی ابتدائی زندگی کے حالات بھی پردۂ خفا میں پوشیدہ ہیں، مگر یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ اس نے علمی استعداد اور صلاحیت پیدا کرنے میں کوئی کوتاہی نہ کی ہوگی، تذکرہ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ فارسی عربی اور ترکی زبانوں میں اُسے کافی دسترس حاصل تھی، اس کے صفحات اس بات کے شاہد ہیں کہ فارسی زبان اور ادب میں دولت شاہ کا مذاق کس قدر پاکیزہ اور شستہ تھا، آیات و احادیث کے علاوہ دولت شاہ کا بجا

---

[3] مجالس النفائس مرتبہ علی اصغر حکمت ص ۱۰۸،

عربی اشعار نقل کرنا عربی زبان سے اس کی طبعی مناسبت ظاہر کرتا ہے، اس کے علاوہ اس کتاب کے شروع میں عرب شعراء کا بھی تذکرہ ہے، اس کے ماخذون مین متعدد ماخذ عربی ہین، ترکی زبان سے بھی وہ بخوبی واقف تھا، چنانچہ وہ دوسرون ہی کے ترکی اشعار نقل نہین کرتا، بلکہ خود اپنے ترکی اشعار بھی درج کرتا ہے،

دولت شاہ اہل قلم ہونے کے علاوہ فارسی زبان کا اچھا شاعر بھی تھا، اور نظم کی مختلف شاخون مثلاً رباعی، غزل اور قصیدے مین اُس نے طبع آزمائی کی ہے، اس کی تصنیف خود اس بات کی شاہد ہے، وہ علائی تخلص کرتا تھا، یہان ہم نمونہ کے طور پر اس کے چند اشعار نقل کرتے ہین تاکہ ناظرین پڑھکر رائے قائم کرسکین،

غزل[1]

دیگری را مکش از غمزہ بر غم دل من	ہر زمان قصد ہلاکم مکن اے قاتلِ من
میکشی خنجر و زان میخورم از حسرت آن	کہ شود رنجہ دم تیغ تو از بسملِ من
قابلِ دولتِ غمہاے تو آیا دل کیست	نیست مقبول تو باری دل ناقابلِ من
یار بگذشت و رقیب از اثر او برسید	آہ از بخت بد و دولت مستعجلِ من

سر بنہ بر سرِ آن کوے علائی زان رو

تا دمِ حشر در آنجا است چو سر منزلِ من

رباعی[2]

اے ہمنفسان عجب سرائیست جہان	باشید از ین سراے بد مہر جہان
اینست درین جہان درون کار جہان	چون کار جہان چنین بود وای کہان

دولت شاہ کا ایک قصیدہ جو قصیدہ مصنوع کہلاتا ہے، تذکرہ مین ملتا ہے، اس مین دولت شاہ نے فارسی و ترکی آمیزش سے کام لیا ہے، یہ قصیدہ امیر علی شیر نوائی کی مدح مین ہے، یہان ہم اوس کی

---

[1] تذکرۃ الشعراء لاہور ایڈیشن ص ۳۰۴، [2] ایضاً ص ۲۰۲،

ایک بیت نقل کرتے ہین،

از افق باشد ید بیضاے موسیٰ آشکار	بو العجب کاران شب را رفت سحر سامری

دولت شاہ رحم دل اور غریب دوست تھا، نیک اور معصوم آدمیون کی موت کا اثر اس پر کافی ہوتا تھا، وہ مرنجان و مرنج طبیعت کا آدمی تھا، البتہ یہ بات ملحوظ خاطر رکھنی چاہیئے، کہ چونکہ وہ خاندانی حیثیت سے طبقۂ امراء سے تعلق رکھتا تھا، اس لئے اُسے یہ ہرگز گوارا نہ تھا کہ ادنیٰ طبقہ کے لوگ حکومت اور ملکی معاملات مین اعلیٰ عہدون پر فائز ہون، وہ اس خیال کا تھا کہ ادنیٰ طبقہ کے لوگ امیرون کے کام کرنے کے لائق نہین، اور نہ امیر ہی ادنیٰ طبقون کے کام کے اہل ہین، دولت شاہ طبقاتی امتیازات کا بہت بڑا حامی تھا، اس لئے یہ نہین چاہتا تھا کہ مختلف طبقون کے لوگ اپنا موروثی کام چھوڑ کر کوئی دوسرا پیشہ اختیار کرین، اس بات کی وہ اپنے تذکرہ مین سخت شکایت کرتا ہے، حتیٰ کہ وہ اس چیز کے بھی خلاف ہو کہ ادنیٰ طبقہ کے لوگ مثلاً جولاہے، کسان وغیرہ اپنے بچون کو تعلیم دلائین، چنانچہ لکھتا ہے کہ "ان لوگون کو تعلیم دے کر حکومت کے کام اُن کے سپرد کرنا گویا حکومت، دین، اور ملک مین خرابی پیدا کرنا ہے" دولت شاہ کے نزدیک ایک زنگی مست کے ہاتھ مین تلوار دینا اتنا برا نہین، جتنا کہ ایک جاہل کا علم حاصل کرنا،

تیغ دادن در کفِ زنگی مست	بہ کہ آید علم جاہل را بدست

اس کا کہنا ہے کہ لوگون کو اپنا اصلی پیشہ نہین چھوڑنا چاہیئے جس کے وہ اہل ہین، اپنے اس خیال کے ثبوت مین دولت شاہ سلطان ملک شاہ کی ایک حکایت بیان کرتا ہے، اُس نے نظام الملک کو دو لاکھ درم جمع کرنے کے لئے اصفہان کی جانب روانہ کیا، نظام الملک دینور مین ایک زمیندار کے یہان ٹھہرا، زمیندار نے جب اصل وجہ دریافت کی تو خوش ہوا، اور کہا اگر سلطان میرے لڑکے کو علم حاصل کرنے کی اجازت دیدے تو مین مطلوبہ رقم فوراً حاضر کردون گا، نظام الملک کو تسکین ہوئی، اس نے ملک شاہ کو آگاہ کیا، اس پر وہ بہت خفا ہوا،[1]

---

[1] تذکرۃ الشعراء لاہور ایڈیشن ص ۳۴۴، ۳۴۲،

کہا کہ پیسون کی خاطر ایک کسان کے لڑکے کو کیونکر ترجیح دون، جو کسی حالت مین بھی حکومت کے کام سرانجام دینے کے اہل نہین[51]، اس سے قبل ہم لکھ چکے ہین کہ دولت شاہ کی آمدنی کا ذریعہ اُس کی جائیر تھی یہی اُس کی پونجی، اور یہی اس کے لئے سرمایۂ حیات تھا، لیکن اُس کی آمدنی اتنی نہین تھی، کہ وہ اس سے اچھی طرح گذارا کرسکے، اس لئے اُس نے قرض لینا شروع کیا، اپنی کتاب مین وہ قرض خواہون کے علاوہ لگان وصول کرنے والون کی بھی شکایت کرتا ہے، کہ یہ لوگ بہت ہی بے رحم اور ظالم تھے، اور ان کو خدا اور مذہب کا تعلق ذرہ نہ تھا[52]،

دولت شاہ کی زندگی کے حالات مین یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ ۸۷۶ھ مین چکن سرائے کے پاس اندخود کی لڑائی مین سلطان حسین کے ہمرکاب تھا، یہ لڑائی سلطان حسین، اور شہزادہ سلطان محمود کے درمیان ہوئی تھی، دولت شاہ کی عقیدتمندی ملاحظہ ہو کہ اس جنگ مین اسے مردانِ غیب کی تکبیرون کی آواز سنائی دیتی تھی،

"من بندہ مؤلف دران مصاف در رکاب ظفر مآب بودم بعینہ احساس کردم آواز تکبیری کہ دران روز آن تکبیر نہ مردم لشکر می گفتند، یقینم شد کہ رجال اللہ الغیب اند[53]"

دولت شاہ کی زندگی کے متعلق یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ وہ اپنے زمانہ کی ناقدرشناسی کا بڑا شکوہ سنج تھا، وہ جب بیسیو لوگون کی قدر و منزلت ہوتے دیکھتا جن کا تعلق ادنی طبقہ سے ہوتا، یا جب وہ دیکھتا کہ بادشاہ ادنی لوگون کی ہمت و عزت افزائی کرتے، اور انھین سرفراز کرتے ہین، تو اس کی حساس طبیعت اس سے ازحد رنجیدہ ہوتی، اور وہ اس کا ذکر کئے بغیر نہین رہتا، مثلاً ملک الکلام رکن صاین کے تذکرہ مین وہ طغان تیمور کی بابت لکھتا ہے کہ اس نے ہیچ اور ادنی طبقہ کے لوگون کو سرفراز کیا، اور انھین حکومت کے معاملات مین اہم سمجھا، اور اعلی عہدون پر فائز کیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک روز وہ خود انہی کے ہاتھون کے قتل ہوا[54]، الغرض وہ اس بات

[51] تذکرۃ الشعراء لاہور ایڈیشن ص ۱۱۵ و ۱۱۶، [52] ایضاً ص ۳۰۰، [53] ایضاً ص ۲۵، [54] ایضاً ۳۰۰،

کے سخت خلاف تھا کہ کوئی ادنی شخص ملکی معاملات مین دخل دے، دولت شاہ کے پیشِ نظر اگر سعدی کے یہ اشعار ہوتے، تو شاید ادنی طبقہ کے لوگون کے متعلق یہ رائے قائم نہ کرتا،

روستازادگانِ دانشمند　　بوزیری پادشاہ رفتند
پسرانِ وزیر ناقص عقل　　بگدائی بروستا رفتند

دولت شاہ اس بات کی بھی شکایت کرتا ہے کہ اس کے زمانہ مین علماء و شعراء کی قدر و منزلت بہت کم تھی، حالانکہ ایک زمانہ ایسا تھا جب شعراء کو بیش قیمت صلے ملا کرتے تھے، وہ خاقانی کا ایک واقعہ بیان کرتا ہے کہ خاقان اخیتان نے خاقانی کو ایک شعر اور اس کی توجیہ کے عوض انعام و اکرام سے مالامال کیا، اس کے برعکس جب وہ اپنے زمانہ پر غور کرتا ہے، تو افسردہ ہوکر کہتا ہے کہ اگر اس زمانہ مین شاعر ایک خروار شلغم بھی مانگے، تو مشکل سے ملتے ہین[55]، ایک اور جگہ دولت شاہ شعراء و فضلاء کی ناقدری کی بابت لکھتا ہے

"خصومت فلک باربابِ فضل نہ امروزے　　یعنی فلک کی اربابِ فضل کے ساتھ جو دشمنی ہے وہ
بلکہ حالِ این جاودان است"　　ہمیشہ سے چلی آتی ہے

اپنے تذکرہ مین دولت شاہ ایک جگہ شکایت کرتا ہے کہ ہمارے زمانہ مین علماء حق گوئی کے فرائض سرانجام نہین دیتے،

"سخنِ شعراء در دل سلاطین اثرے کند، اگرچہ علمائے روزگار کلمۂ حق بجا آوردند و زبان نصائح فرونہ بندند، اثر خیری دہد، اما این باب درین روز مسدود شدہ[56]"

دولت شاہ کے بیان مین ایک عجیب قسم کی کشمکش اور تضاد پایا جاتا ہے، ایک طرف تو وہ سلطان حسین اور امیر نوائی کے طرزِ حکومت کی تعریف اور اُن کے عدل و انصاف کا بڑے زور و شور سے ذکر کرتا ہے، دوسری طرف اس بات کی شکایت بھی کرتا ہے کہ حکومت کے افسر ظالم و بے رحم ہین تعجب ہے کہ سلطان حسین اور

[55] تذکرۃ الشعراء لاہور ایڈیشن ص ۳۱۱ [56] ایضاً ص ۲۹۰

امیر علی شیر نوائی جیسے علم و ادب کے سرپرستوں کے باوجود دولت شاہ کو شکایت ہے کہ علما و فضلا کس مپرسی کی حالت میں ہیں،

دولت شاہ مذہب کا بڑا حامی اور عقیدت کا پکا اور بڑا متوکل تھا، کسی قسم کا تعصب اس میں نہیں پایا جاتا، تذکرۃ الشعراء میں کئی جگہ اس کی دینداری اور مذہبیت ظاہر ہوتی ہے، چنانچہ ایک جگہ لکھتا ہے کہ

"سلطان ابو سعید گرگان بدخشان کے شاہی خاندان کا قلع و قمع محض اس لئے چاہتا تھا، کہ اس کا علاقہ زرخیز تھا، اس بے انصافی کی وجہ سے سلطان ابو سعید بھی بہت جلد راہی ملک عدم ہوا"[۵۳]

دولت شاہ جیسا کہ ہم نے اوپر لکھا ہے مذہبی تعصب سے بری تھا، اور اس کا ثبوت ہمیں اُس کی تصنیف میں ملتا ہے، وہ تعصب کے خلاف شیخ عطار کے اشعار نقل کرتا ہے:[۵۴]

الا اے در تعصب جانت رفتہ ۔۔۔ گناہ خلق در دیوانت رفتہ
مشو از ابلہی پر زرق و پر مکر ۔۔۔ گرفتار علی ماندی و بوبکر
گہی این یک بود نزد تو مقبول ۔۔۔ گہی آن یک بود از کار معزول
گر این بہتر ور آن بہتر ترا چہ؟ ۔۔۔ کہ تو چون حلقہ بر در ترا چہ؟
ہمہ عمرت درین محنت نشستی ۔۔۔ ندانم تا خدا را کے پرستی

اگرچہ دولت شاہ راسخ الاعتقاد سنی ہے، تاہم وہ اُن بزرگوں کا ذکر جن کا تعلق تشیع سے ظاہر کیا جاتا ہے، مثلاً شاہ نعمت اللہ کرمانی، سید قاسم انوار اور شیخ آذری نہایت احترام و عقیدت سے کرتا ہے،

دوسری چیز ہمیں دولت شاہ کے عقیدہ کی بابت یہ ملتی ہے کہ وہ بزرگان دین کا بڑا احترام کرتا ہے، اپنی

[۵۳] تذکرۃ الشعراء لاہور ایڈیشن ص ۳۱۱ [۵۴] ایضاً ص ۲۰۸

تصنیف میں شیخ آذری کا ایک قطعہ نقل کرتا ہے،

سر دفتر ارباب ہنر خواجہ علیست ۔۔۔ اے آنکہ ترا لطف طبیعت ازلیست
خواہی تو مرا پسند و خواہی مپسند ۔۔۔ داند ہمہ کس کہ حمزہ استاد علیست

شیخ عارف کا نام حمزہ تھا، مولانا شہاب الدین نے اس کے جواب میں جو رباعی لکھی ہے، دولت شاہ نے اسے بھی اپنی کتاب میں درج کیا ہے، وہ یہ ہے:-

اے حمزہ بدان کہ عرش حق جای علیست ۔۔۔ بر کتف رسول از شرف پای علیست
استاد علیست حمزہ در جنگ ولی ۔۔۔ صد حمزہ بعلم و فضل لالای علیست

دولت شاہ یہاں بزرگان دین کے احترام و عقیدت کی خاطر علی و حمزہ کی تلمیع اور علم و فضل کی نمائش کو ناپسند کرتے ہوئے لکھتا ہے:-

"ہر چند مولانا علی این رباعی را مستعدانہ فرمودہ در منقبت و شرف شاہ ولایت اما کنایۂ بشراکت اسم خود این شرف درین محل مضاف نمودن از حرمت دوری نماید، و نیز علم و فضل خود را علما و فضلا بخود معترف بودہ اند"[۵۵]

دولت شاہ کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے خاندان عباسی سے بڑی عقیدت تھی، وہ اپنے تذکرہ میں لکھتا ہے کہ چونکہ بنی عباس کا نسبی تعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے، اس لئے وہ مناسب سمجھتا ہے کہ ان کا ذکر بھی اس کتاب میں کرے،

"چون خلفائے بنی عباس خاندان صاحب قربای رسول بودہ اند نخواستم کہ این تذکرہ از ذکر خیر ایشان خالی باشد"[۵۶]

تذکرہ کے متعدد مقامات سے معلوم ہوتا ہے کہ دولت شاہ کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور ائمہ اطہار

[۵۵] تذکرۃ الشعراء لاہور ایڈیشن ص ۲۰۰ [۵۶] ایضاً ص ۲۱

سے بہت زیادہ عقیدت تھی، دولت شاہ کی راسخ الاعتقادی اور دینداری کی شہادت اس واقعہ سے بھی ملتی ہے کہ جب سلطان سنجر نے بغداد فتح کیا، اور سامرہ کا قصد کیا، تو جامع سامرہ میں ایک غار کے سرے پر ایک عمدہ گھوڑا مع زرین زین کے اس کو دکھائی دیا، شیعہ حضرات کا عقیدہ ہے کہ امام محمد مہدی اس غار سے باہر آئیں گے، لہذا وہ بعد از نماز جمعہ وہاں جاتے ہیں، اور کہتے ہیں، یا امام بسم اللہ، سنجر کو یہ گھوڑا بہت پسند آیا، وہ اس پر سوار ہو کر چلدیا، اور حاضرین سے کہا کہ یہ گھوڑا میرے پاس امانت ہے، امام کے ظہور کے وقت ان کے حوالہ کر دوں گا، دولت شاہ کہتا ہے کہ سنجر کی اس گستاخی کی وجہ سے اس کا زوال شروع ہوا، اور وہ غزوں کے ہاتھوں قید ہوا،

"این صورت بر سلطان مبارک نیامد و این بے حرمتی از ظرافت طبع سلطان خوش نمود اما پسندیدہ نداشتند، و در آخر ..... و این نیز سبب زوال دولت شد و غزان بر و خروج کردند و تے محبوس و مقید بود"[۱]

شاہ رخ کے مقابلہ میں سلطان عمر شیخ محی الدین غزالی طوسی سے دعائے فتح کی درخواست کرتا ہے لیکن شیخ صاف انکار کر دیتے ہیں، اور نتائج و عواقب کی ذرا پروا نہیں کرتے، دولت شاہ یہ واقعہ نقل کرنے کے بعد مشائخ طریقت کی حق گوئی پر خوشی کا اظہار کرتا ہے، اسے اس بات کا افسوس ہے کہ اس کے زمانہ میں حق گوئی کا دروازہ بند ہے،

"خلاف این روزگار کہ ابواب کلمۂ حق مسدود شدہ"[۲]

تذکرۃ الشعراء دولت شاہ اپنی کتاب کی تمہید میں لکھتا ہے کہ اس سے پہلے کسی نے فارسی شعراء کا تذکرہ نہیں لکھا گرچہ انبیاء، اولیاء، اور فضلاء کے حالات زندگی کتابی صورت میں موجود ہیں، لیکن کسی نے فارسی عروشاعران کا تذکرہ لکھنے کی طرف خیال نہیں کیا، علمائے دین نے مذہب کے متعلق بے شمار کتابیں لکھیں، اور انبیاء

[۱] تذکرۃ الشعراء لاہور ایڈیشن، ص ۳۸ [۲] ایضاً ص ۲۵۸،

کے حالات و قصص لکھ کر خلق کے سامنے پیش کئے، شیخ عطار نے تذکرۃ الاولیاء لکھ کر ولیوں کے حالات کو مجموعہ کی صورت میں پیش کیا، مورخوں نے تاریخیں اور مقامات لکھ کر سلاطین کے حالات کو کتابی صورت میں ڈھالا لیکن افسوس کہ کسی نے فارسی شعراء کے حالات کو مجموعی صورت میں نہیں لکھا، دولت شاہ اس موقع پر ایک شعر نقل کرتا ہے،

آنچہ مجہول ماندہ در عالم ذکر تاریخ و قصۂ شعراست

ان حالات سے اثر پذیر ہو کر دولت شاہ نے یہ ارادہ کیا کہ وہ شاعروں کا تذکرہ لکھے، اور اُن کے حالات کو کتابی صورت میں محفوظ کر دے، غالباً اُس کے نزدیک چہار مقالۂ شعراء کا تذکرہ نہیں ہے، حالانکہ نظامی سمرقندی نے اس کا دوسرا مقالہ شعر و شعراء کے لئے مخصوص کیا ہے، لیکن دولت شاہ اسے تذکرہ نہیں کہتا، البتہ وہ اسے اپنا ماخذ ضرور قرار دیتا ہے، اس کے علاوہ دولت شاہ کو یہ معلوم نہیں تھا کہ اس سے پہلے عوفی کا تذکرہ لباب الالباب موجود تھا، اگر اس کے علم میں ہوتا تو شاید یہ نہیں کہتا کہ اس سے پہلے شعراء کا کوئی تذکرہ نہیں لکھا گیا، اور نہ وہ اس خیال کو پختہ کرنے کے لئے اس شعر سے مدد لیتا، جو اوپر تحریر کیا جا چکا ہے، دولت شاہ چہار مقالہ کی طرح مناقب الشعراء کو بھی تذکرہ نہیں مانتا، حالانکہ اسکو بھی اس نے اپنا ایک ماخذ بنایا ہے، غرض دولت شاہ اپنے آپ کو اس میدان کا پہلا فرد سمجھتا ہے، اُس نے شاعروں کے حالات کا پتہ لگانے کے لئے متعدد کتابوں کو اپنا ماخذ بنایا ہے، جن پر پروفیسر براؤن نے ایک مفصل اور عالمانہ مقالہ لکھا ہے[۱]، دولت شاہ نے جس جانفشانی سے یہ تذکرہ لکھا ہے، وہ واقعی قابل تحسین ہے، اس نے تذکرہ کا مواد حاصل کرنے کے لئے معتبر تاریخوں، شعراء کے دواوین اور مختلف رسائل و صحائف کا بغور مطالعہ کیا ہے، اور اُن سے ان شعراء کے حالات جن کے دیوان و اشعار مشہور و مقبول ہیں، جمع کئے ہیں، مقدمہ میں جہاں دولت شاہ اس بات کا تذکرہ کرتا ہے، اس سے اس کی تلاش و تحقیق کا پتہ چلتا ہے، اس کی تلاش و جستجو

[۱] جرنل آف دی رائل ایشیاٹک سوسائٹی ۱۸۹۹ء صفحات ۳۷ تا ۶۰،

اور ذوق و شوق کا سب سے بڑا ثبوت ہمیں اس وقت ملتا ہے جب کہ وہ فصیحی جرجانی کی تصنیف "وامق و عذرا" کی بابت لکھتا ہے کہ وہ بہت ہی عمدہ تصنیف ہے، میں نے چند اوراق دیکھے، پوری کتاب دیکھنے کی خواہش تھی، لیکن پورا نسخہ نہیں ملتا، وہ لکھتا ہے :-

"جرجانی قصہ وامق و عذرا را بہ نظم آوردہ بسیار خوب گفتہ است و من ورقی چند از ان دیدم اثر در ہوس باقی بودم، نیافتم"[1]

دوسری اہم بات یہ ہے کہ دولت شاہ شعراء کے حالات تحریر کرتے وقت ان کے زمانے کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے سلاطینِ وقت کے حالات بھی تحریر کرتا ہے، مثلاً سامانی دور کے شعراء کے حالات قلمبند کرتے وقت سامانی بادشاہوں کے حالات اور اُن کی سرپرستی و شعراء کی ہمت افزائی کا بھی ذکر کرتا ہے، اسی طرح غزنوی اور سلجوقی دور کے شعراء کے تذکرہ میں غزنوی اور سلجوقی بادشاہوں اور وزیروں کے حالات معلوم ہوتے ہیں جس سے اُن کا علمی و ادبی ذوق ظاہر ہوتا ہے، اس کے علاوہ وہ مختلف زمانوں کے تاریخی و سیاسی حالات کا نقشہ بھی پیش کرتا ہے، تیموری دور کے شعراء کے حالات کے علاوہ تیموری سلاطین اور شہزادوں کے متعلق دولت شاہ بہت تفصیل کے ساتھ لکھتا ہے، امیر تیمور کے متعلق وہ لکھتا ہے کہ آدم سے لیکر اب تک امیر تیمور جیسا صاحبقران اور سلیمان زمان پیدا نہیں ہوا،[2] تیمور کے قابل فرزند اور جانشین شاہ رخ سلطان کی بابت بھی اس کا بیان بہت مفصل ہے، الغ بیگ کے متعلق لکھتا ہے کہ وہ نہایت عادل اور صاحبِ ہمت تھا، اور علم نجوم میں اسے دسترس حاصل تھی، اُس کے علاوہ علوم ریاضی میں بھی، ید طولیٰ رکھتا تھا، اس کی قوت حافظہ کے متعلق لکھا ہے کہ جو جانور وہ شکار کرتا تھا، اس کی جگہ، دن اور موقع کو خوب یاد رکھتا تھا،[3] شہزادہ ابراہیم کی علمی تلاش اور دلچسپی کے متعلق کہتا ہے کہ اس شہزادے نے ظفرنامہ کی ترتیب پر کافی روپیہ صرف کیا،[4] سلطان ابوالقاسم بابر کے حالات کی تفصیل لکھتے وقت اُس کی ایک غزل نقل

کرتا ہے جس سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ سلاطین و شہزادگانِ تیموری دوسرے امور کے علاوہ علم و ادب کے ذوق آشنا تھے، تاریخی معلومات کے علاوہ دولت شاہ جغرافیائی معلومات بھی بہم پہنچاتا ہے، اُس کے ماخذوں میں اصطخری کی کتاب الاقالیم بھی ہے، اور علی بن عیسیٰ کحال کی کتاب المسالک والممالک، ابوسلیمان ذکریا کوفی کی صور الاقالیم اور حمد اللہ مستوفی کی نزہتہ القلوب سے استفادہ کیا ہے، سید حسن غزنوی کے ترجمہ میں جہاں اُس نے یہ بتایا ہے کہ سید حسن کا مدفن قصبہ آزادوار میں ہے، وہاں آزادوار کے اس ممتاز خاندان کا ذکر بھی کرتا ہے، جس کے چشم و چراغ شمس الدین صاحب دیوان اور اُن کے بھائی علاء الدین عطا ملک تھے وہ محض شعراء کے حالات پر ہی اکتفا نہیں کرتا، بلکہ اُن کے چیدہ چیدہ اشعار بھی درج کرتا ہے جس سے ہمیں دولت شاہ کے ذوقِ انتخاب کا پوری طرح سے علم ہوتا ہے، ان چیدہ اشعار کی وجہ سے اس کا تذکرہ ایک گلدستۂ سخن بن گیا ہے، اس کے علاوہ دولت شاہ نے ان قصیدوں اور غزلوں کا بھی التزام سے ذکر کیا ہے، جو مشہور قصیدوں یا غزلوں کے جواب میں لکھی گئی ہیں، اس سے اس کے تذکرہ کی افادی حیثیت اور بھی بڑھ جاتی ہے، دولت شاہ نے اپنی اس تصنیف کو مشہور و معروف مربی وزیر امیر علی شیر نوائی کے نام معنون کیا ہے، اور اس کو سات طبقوں میں تقسیم کیا ہے ہر طبقہ میں تقریباً بیس شعراء کا ذکر اور اُن کی زندگی اور کلام پر تبصرہ ہے، ایک اور چیز قابلِ ذکر یہ ہے کہ دولت شاہ چوتھے طبقہ کے بعد زیادہ تر غزل گو شعراء کا ذکر کرتا ہے[1] تذکرہ میں اُس نے ساتوں طبقوں میں سنہ واری ترتیب کی سختی سے پابندی نہیں کی ہے، مثلاً مجد الدین ہمگر کا تذکرہ دولت شاہ تیسرے طبقہ میں کرتا ہے، حالانکہ اس کا ذکر چوتھے طبقہ میں ہونا چاہئے تھا، جہاں سعدی اور ہمام تبریزی کا ذکر ہے،

دولت شاہ کا اسلوب بیان انوار سہیلی کے مصنف کے برعکس تکلفات سے بری ہے، وہ اپنا فی الضمیر نہایت سادگی اور صراحت کے ساتھ ادا کرتا ہے، سلاست اور سادگی کے باوجود اس کی تحریر

مین متانت اور پختگی ہے، اور زور اور قوت کے ساتھ ساتھ شوخی اور رنگینی بھی ہے، اس کا ادبی ذوق بہت پاکیزہ تھا، اور وہ ایک اچھا خاصہ نقاد تھا، اس کی نقد و نظر کی کئی مثالین اس کی تصنیف مین موجود ہین، اس کے تذکرہ مین تنقیدی عنصر کافی ہے، اور اس کا خداداد ذوق اکثر اس مین اس کی صحیح رہنمائی کرتا ہے، مثلاً فردوسی اور نظامی کے موازنہ ہی کو لیجئے، ان کا مقابلہ کرتے وقت وہ اپنی جچی تلی رائے کا اس طرح اظہار کرتا ہے،

"و بعضے تواند بود کہ شخصے این سخن را مسلم ندارد و گوید شیخ نظامی را درین باب ید بیضا ست و درین سخن مضائقہ نیست و شیخ نظامی بزرگ بودہ، و سخن او بلند و متین و پر معانی است، امّا انصاف و انصاف تامل، در ہر دو شیوہ گوی گمر و تمیز بودہ حکم براستی گو در میان بیاور"[۱]

عمعق بخاری کی بابت لکھتا ہے کہ عمعق میدانِ مرثیہ کا مرد ہے،

"عمعق را در شیوہ مرثیہ گفتن ید بیضا است،"[۲]

ابو المفاخر رازی کا یہ شعر:-

بال مرصع بسوخت مرغ صبح بدن اشک زلیخا بریخت یوسف گل پیرہن

جس مین اُس نے طلوعِ آفتاب کا منظر دکھایا ہے، بہت عمدہ ہے، دولت شاہ چونکہ ادبی ذوق رکھتا تھا، اس لیے بحیثیت نقاد اس کے متعلق لکھتا ہے،

"و اکابر علما درین باب گفتہ اند غالباً در صنعت طلوع آفتاب بدین سیاق نگفتہ باشند"[۳]

دولت شاہ شیخ سنائی کے ایک مشہور قصیدہ کے متعلق جس کا مطلع یہ ہے،

کن درجسم و جان منزل کہ این دون ست و آن والا قدم ازہر دو بیرون نہ نہ اینجا باش و نے انجا

---

۱ تذکرۃ الشعراء لاہور ایڈیشن ص ۰۰۰، ۲ ایضاً ص ۰۰۰، ۳ ایضاً ص ۴۶

اظہار رائے کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ اس قصیدہ کا جواب شیخ اوحد الدین کرمانی اور شیخ فخر الدین عراقی نے دیا ہے، اور خواجہ سلمان ساوجی نے بھی اس کے جواب مین قصیدہ لکھا ہے، اگرچہ سلمان کا قصیدہ شاعرانہ ہے لیکن سنائی کے سے بلند خیالات اس مین نہین پائے جاتے، دولت شاہ محض دوسرون کی رائے نقل کرنے پر اکتفا نہین کرتا، بلکہ اپنی آزاد رائے بھی ظاہر کرتا ہے، سعدی کے بعض معصران پر امامی کو ترجیح دیتے تھے، ظاہر ہے کہ دولت شاہ کو اس قسم کی رائے سے اتفاق نہین ہو سکتا لیکن اس کے باوجود وہ ان اسباب کو جاننا چاہتا ہے، جن کی بنا پر سعدی کے معاصر امامی کو اس سے بہتر سمجھتے تھے، اس کے نزدیک اس فضیلت کا سبب یہ ہے کہ امامی کے یہان صنائع و بدائع زیادہ ہین،

"و این فضل کہ در حق امامی گفتہ اند در شیوۂ صنائع و بدائع شعری بودہ باشد"[۱]

لوگون کا خیال ہے کہ اثیر کا کلام انوری اور خاقانی سے بہتر ہے لیکن دولت شاہ نہایت خوش اسلوبی سے اپنی جچی تلی رائے کا اظہار کرتا ہے، اور تینون کی شاعرانہ خوبیون کو الگ الگ بیان کرتا ہے،[۲] مولانا سیف الدین اسفرنگی کے متعلق دولت شاہ کو عام رایون سے اتفاق نہین، وہ خود اپنی رائے دیتا ہے اور کہتا ہے، کہ رائے عامہ صحیح نہین بلکہ وہ اثیر کو بہتر سمجھتا ہے،

"سخنِ او (اسفرنگی) را بر سخنِ اثیر ترجیح دادہ اند، اما این حال مکابرۂ عظیم است"

الغ بیگ، مرزا عبد الرزاق اصفہانی کے کلام کو اس کے بیٹے کمال الدین اسمٰعیل کے کلام پر ترجیح دیتا تھا، دولت شاہ کو الغ بیگ مرزا کی اس رائے سے اتفاق نہین، وہ اپنا اختلاف نہایت عمدہ پیرایہ مین ظاہر کرتا ہے، اور کمال اسمٰعیل کے کلام کو سہل ممتنع کا درجہ دیتا ہے، لیکن اُس کے ساتھ ہی یہ کہتا ہے کہ یہ عوام کی مجال نہین ہے کہ بادشاہون کی باتون پر نکتہ چینی کرین،

"این سخن مکابر داست چہ سخن کمال نازک افتادہ و سہل ممتنع است اما بر سخن پادشاہان

---

۱ تذکرۃ الشعراء لاہور ایڈیشن ص ۰۰۰، ۲ ایضاً ص ۷۹،

ایراد عوام نیست"

دولت شاہ کسی بات کورد یا قبول کرنے مین کافی احتیاط سے کام لیتا ہے، مثلاً نزآری قہستانی کی بابت لکھتا ہے کہ بعض کے نزدیک اسے نزاری اس لئے کہتے ہین کہ وہ دبلا اور نحیف تھا، اور بعض کہتے ہین کہ نزاری کا تخلص اسمٰعیلی خلیفہ نزار سے تعلق کی بنا پر تھا، پہلی توجیہ کو وہ قبول نہین کرتا، کیونکہ وہ بعید از عقل ہے، اور دوسرے کو اس لئے قبول کرتا ہے کہ نزآری کے کلام سے اس کا اسماعیلی ہونا ظاہر ہوتا ہے، عماد فقیہ کے کلام کے بارے مین دولت شاہ کی راے اچھی ہے، حالانکہ جامی بہارستان مین لکھتے ہین کہ جو کوئی شخص عماد فقیہ کی خانقاہ مین آتا تھا، عماد اسے اپنے اشعار بغرض اصلاح دکھاتا تھا، لوگون کا خیال تھا کہ عماد کے اشعار سب اہالی کرمان کے اشعار ہین' دولت شاہ عماد فقیہ کے کلام کی خوبی کے ثبوت مین شیخ آذری کی کتاب جواہر الاسرار کا حوالہ دیتا ہے،

شیخ آذری کے متعلق جامی کی راے ہے کہ اس کے اشعار مین طامات بہت ہین، لیکن دولت شاہ اس کا مداح ہے،

دولت شاہ جس چیز کو مشکوک سمجھتا ہے، اس کے متعلق یہ پیرایۂ بیان اختیار کرتا ہے:-

"این سخن عوام است"

اور اس چیز کے قبول کرنے مین احتیاط سے کام لیتا ہے، بادشاہون کا ذکر یا شعراء کا کلام نقل کرتے وقت متعدد جگہون پر دولت شاہ نے یہ لکھا ہے کہ اس کا تذکرہ اس سے زیادہ کا متحمل نہیں ہو سکتا، لیکن ایک جگہ اس اختصار پسندی کو چھوڑ کر کہتا ہے کہ چونکہ مورخون نے سربدارون کے حالات کی طرف توجہ نہین کی، اور فضلا نے اُن کی کوئی تاریخ نہین لکھی، اس لئے وہ ضروری سمجھتا ہے، کہ اس تذکرہ مین اُن کی تاریخ کا کچھ حصہ درج کر دیا جائے، خواہ اس مین اطناب ہی ہو جائے، چنانچہ ص ۲۸۵ سے لے کر ص ۲۹۰ تک

تذکرۃ الشعراء براؤن ایڈیشن ص ۵۰، ایضاً ص ۱۵۰، بہارستان طبع ایران ص ۱۹، تذکرۃ الشعراء ص ۱۶۹، بہارستان طبع ایران ص ۱۲۰، تذکرۃ الشعراء ص ۲۸۵ تا ص ۲۹۰،

دس صفحے خاندان سربداران کی تاریخ کے لئے وقف کر دیئے ہین، اور معینی جوینی کے تذکرہ مین اس کی کتابون کا ذکر کرتے ہوئے اس کی کتاب نگارستان کے متعلق لکھتا ہے کہ یہ کتاب بہت مشہور و معروف ہے، اور سعدی کی گلستان کی طرز پر ہے، جب مشائخ بخارا نے یہ کتاب الغ بیگ کی خدمت مین پیش کی تو اس نے اس کی بہت تعریف کی، یہ کتاب ماوراء النہر مین بہت مشہور ہے، لیکن خراسان مین کم ملتی ہے،

اثیر اومانی اور رفیع لبنانی کے دیوانون کے متعلق لکھتا ہے کہ یہ عراق عجم مین محترم ہین، لیکن خراسان اور ماوراء النہر مین اتنے مقبول نہین،

تذکرہ کے مطالعہ سے اس بات کا بھی پتہ چلتا ہے کہ بعض کتابین جو پہلے مقبول تھین، وہ دولت شاہ کے زمانہ مین زیادہ قابلِ توجہ نہین رہ گئی تھین، مثلاً اوحدی کی مشہور مثنوی جام جم کے سلسلہ مین لکھتا ہے کہ

"درین روزگاران نسخہ متروک است"

اسی طرح خواجہ عظمت اللہ بخاری کے متعلق لکھتا ہے، کہ اس کا کلام اس کے اپنے زمانہ مین بڑا مقبول تھا، مگر

"والیوم سخنان خواجہ متروک است"

دولت شاہ کے علمی ذوق اور ادبی دلچسپی کا اظہار اس سے زیادہ کیا ہو سکتا ہے کہ جب سلطان خلیل باطنی کو ایک قصیدہ پر ایک ہزار درم انعام مین دیتا ہے، تو دولت شاہ کو یہ صلہ مطلع کے مقابلہ مین کم نظر آتا ہے، قصیدہ کا مطلع یہ ہے؛

دل شیشہ و چشمانِ تو ہر گوشہ برندش مستند مبادا کہ بشوخی شکنندش

دولت شاہ کہتا ہے:-

تذکرۃ الشعراء ص ۱۰۱، ایضاً ص ۱۳۹، ایضاً ص ۲۴۳،

"الحق انصاف آنست کہ صلہ این مطلع را کم ہمتی نمودہ با وجود بخشندگی و خزانہ امیر تیموری"

آخر میں ایک اور چیز کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں، جس سے فارسی نثر کے بارے میں دولت شاہ کی نقادانہ رائے کا پتہ چلتا ہے، چنانچہ وہ شرف الدین علی یزدی کی کتاب ظفر نامہ کے متعلق جو سلطان ابراہیم کے حکم سے لکھی گئی تھی، لکھتا ہے،

"الحق ساقت تر از ان تاریخ از فضلا ہیچکس ننوشتہ واگرچہ پرکارتر نوشتہ اند اما طرفہ تاریخیست ظفر نامہ و بر طبائع اقرب و از تکلفات زائد دور"[51]

بایسنغر مرزا امیر خسرو کے خمسہ کو نظامی کے خمسہ پر ترجیح دیتا تھا، اور الغ بیگ کو اس خیال سے سخت اختلاف تھا، اور اس مسئلہ پر دونوں میں بڑی رد و کد رہتی تھی، ان دونوں کی رائے بیان کرنے کے بعد دولت شاہ لکھتا ہے:-

"اگر آن عصبیت درین روزگار بودی خاطر نقاد جوہریان باز از فضل این روزگار کہ غیر شان مجلود پیوستہ با وراہ ترجیح نمودندی ورفع اشتباہ کردندی"[52]

امیر خسرو کے قصیدے بحر الابرار کے جواب میں بڑے بڑے شعراء مثلاً مولانا جامی اور امیر علی شیر نوائی نے طبع آزمائی کی، دولت شاہ دونوں کے قصیدہ اپنے تذکرہ میں درج کرتا ہے، لیکن اس کے نزدیک بہترین جواب نوائی کا ہے،[53]

تذکرہ میں جہاں دولت شاہ کی پاکیزہ ادبی ذوق کی بہت سی مثالیں ہیں، وہاں ایک دو مثالیں ایسی بھی ہیں جن میں اس نے دقت نظر سے کام نہیں لیا، چنانچہ رودکی کے اس قطعہ کو جس نے امیر نصر سامانی کے دل میں بخارا پہنچنے کا شوق پیدا کر دیا تھا، اور جس کی تعریف نظامی عروضی نے اپنے چہار مقالہ میں کی ہے، دولت شاہ صنائع و بدائع سے عاری اور متانت سے خالی پاتا ہے، اور یہاں تک

۵۱؎ تذکرۃ الشعراء لاہور ایڈیشن ص ۱۲۰ ۵۲؎ ایضاً ص ۳۳۸

لکھتا ہے کہ اگر اس قسم کا کلام آج سلاطین و امراء کی مجلس میں پڑھا جائے تو سب اسے ناپسند ٹھہرائیں گے،[54] اس سے زیادہ افسوسناک دولت شاہ کا یہ بیان ہے کہ شاہنامہ کے خاتمہ کے چار ہزار اشعار فردوسی کے استاد طوسی نے ایک دن رات میں لکھ ڈالے تھے، اور اس کے ثبوت میں مرتضیٰ یہ لکھتا ہے کہ

"ظاہر آں بہ فراست معلوم می توان کرد"[55]

تذکرۃ الشعراء کے محاسن کا ذکر کرتے وقت اس کے معائب کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے، دولت شاہ کے یہاں بعض تاریخی غلطیاں پائی جاتی ہیں، جن کی وجہ سے بڑے بڑے فضلاء اہل علم مثلاً ریو، براؤن اور علامہ شبلی غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے، انہی غلطیوں کی بنا پر بعض محققین دولت شاہ کو ضعیف راوی سمجھتے ہیں چونکہ دوسرے فضلاء اس کی متعدد غلطیوں کی تصحیح کر چکے ہیں، اس لئے ہم یہاں صرف ان غلطیوں کا ذکر کرتے ہیں، جن کی جانب ابتک اشارہ نہیں کیا گیا ہے، دولت شاہ قطران[56] کو ترمذی بتاتا ہے، حالانکہ وہ تبریزی ہے، فرخی کو بھی ترمذی بتایا ہے،[57] حالانکہ خود اس نے اپنے دیوان میں اپنے سیستانی ہونے کا کئی بار ذکر کیا ہے، رشید وطواط کے حوالے سے دولت شاہ کہتا ہے،[58]

"فرخی عجم را چنانست کہ متنبی عرب را"

مگر حدائق السحر[59] میں متنبی کے بجائے ابو فراس ہے، ابو فراس سیف الدولہ ہمدانی کا چچازاد بھائی تھا، جس نے عیسائیوں کے مقابلہ میں کئی جنگوں میں حصہ لیا تھا، ایک دفعہ اسے عیسائیوں کی قید میں بھی رہنا پڑا تھا، اس قید کے زمانہ میں اس نے بعض بڑے درد انگیز اشعار لکھے ہیں، دولت شاہ مسعود سعد سلمان کو جرجانی لکھتا ہے، حالانکہ وہ خود کہتا ہے،

"در جہتی کردم اصل از ہمدانست"

۵۳؎ تذکرۃ الشعراء لاہور ایڈیشن ص ۱۴ ۵۴؎ ایضاً ص ۱۳ ۵۵؎ ایضاً ص ۲۹ ۵۶؎ ایضاً ص ۳۰ ۵۷؎ ایضاً ص ۱۳۱

۵۸؎ حدائق السحر مرتبہ اقبال

لیکن تعجب ہے کہ اس کے مولد لاہور کا ذکر نہین کرتا، اس کے علاوہ لکھتا ہے کہ مسعود عنصر المعالی کی
منوچہر بن قابوس کے عہد حکومت مین تھا، حالانکہ مسعود کے پیدا ہونے سے بہت پہلے ۴۲۴ھ مین منوچہر
انتقال کر چکا تھا[1]،

مولانا روم کے حالات کے دوران مین دولت شاہ لکھتا ہے کہ انھون نے شیخ الشیوخ صلاح الدین
اور حسام الدین چلپی سے روحانیت مین استفادہ کیا، حالانکہ یہ دونون مولانا کے مرید اور معتقد تھے، سعدی
کو شیخ عبد القادر جیلانی کا مرید بنا دیتا ہے، اور اُن کی رفاقت مین سعدی کا حج کرنا تحریر کیا ہے[2]، حالانکہ
یہ واقعہ تاریخی طور سے بالکل غلط ہے، غرض اس قسم کی متعدد غلطیان اس کے تذکرے مین موجود ہین،
تاہم یہ حقیقت تسلیم کئے بغیر چارہ نہین کہ تمام غلطیون اور خامیون کے باوجود دولت شاہ کا تذکرہ
ایران کی ادبی تاریخ کے اہم ماخذون مین سے ہے،

[1] تذکرۃ الشعراء ص ۴۴ [2] ایضاً ص ۱۲۶

اقبال کامل

ڈاکٹر اقبال کے فلسفہ و شاعری پر اگرچہ بکثرت مضامین، رسالے اور کتابین لکھی گئین، لیکن اُن سے انکی
بلند پایہ شخصیت واضح اور مکمل طور پر نمایان نہ ہو سکی، یہ کتاب اس کمی کو پورا کرنے کے لئے لکھی گئی ہے، اس مین اُن کے
فلسفیانہ اور شاعرانہ کارنامون کے اہم پہلوؤن کی تفصیل کی گئی ہے، اور سوانح حیات کے بعد پہلے اُن کی
اردو شاعری، پھر فارسی شاعری پر اُن کے بہترین اشعار کے انتخاب کے ساتھ مفصل تبصرہ کیا گیا ہے، اور اُن
کے کلام کی تمام ادبی خوبیان دکھلائی گئی ہین، پھر اُن کی شاعری کے اہم موضوعون یعنی فلسفۂ خودی،
فلسفۂ بیخودی، نظریۂ ملت، تعلیم، سیاست، صنف لطیف (یعنی عورت) فنون لطیفہ اور نظام اخلاق
وغیرہ کی تشریح کی گئی ہے، قیمت:- عہ (مرتبہ مولانا عبد السلام ندوی)

"منیجر"

حضرت شیخ سیف الدین باخرزیؒ

اور

اُن کی رُباعیات

از

جناب محمد بشیر الحق صاحب دیسنوی عظیم آبادی

مندرجہ بالا عنوان کے مقالہ کی اشاعت[1] کے بعد خیال ہوا کہ جس طرح حضرت سیف الدین
باخرزی کی بعض رُباعیات عمر خیام کی رباعیات مین مخلوط ہین ممکن ہے کہ تلاش و جستجو سے رُباعیات حضرت
ابو سعید بن ابو الخیر مین بھی رُباعیات باخرزی مخلوط ملین اسی خیال کے ماتحت جب اس کی تحقیقات کی اس
مین بڑی کامیابی ہوئی،

شیخ ابو سعید فضل اللہ بن شیخ ابو الخیر کی ولادت بمقام مہنہ (خراسان) ۳۵۷ھ مطابق ۹۶۷ء
مین ہوئی تھی، آپ کو تصوف کی جانب حضرت لقمان مجنون نے مائل کیا اور پیر ابو الفضل بن حسن سرخسی سے
آپ کو ملایا جنھون نے بعد مین آپ کو راہ سلوک و درویشی دکھلائی، حضرت پیر ابو الفضل کے وصال کے
بعد آپ شیخ ابو العباس کی خدمت مین حاضر ہوئے، شیخ ابو العباس نے آپ کو خرقۂ درویشی سے سرفراز کیا،
آپ کا وصال ۴۴۰ھ مطابق ۱۰۴۹ء مین ہوا، آپ ایک برگزیدہ صوفی ہونے کے علاوہ اپنے عہد کے
ممتاز شاعر بھی تھے،

[1] ملاحظہ ہو رسالہ معارف ماہ مئی ۱۹۵۱ء

آپ کی رُباعیات کے تین نسخے میرے ذاتی کتب خانے مین محفوظ ہین، اور تینون بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کے جرنل مین شائع ہوئے تھے،

پہلا نسخہ وہ ہے جو ایشیاٹک سوسائٹی کے کتب خانہ مین تھا، اور جس کو مولوی عبدالحق صاحب نے دسمبر ۱۹۰۹ء مین اپنے دیباچے کے ساتھ شائع کیا تھا۔ اس نسخے مین ۲۲۸ رباعیان ہین، اس کے بعد مسٹر ایچ بیوریج آئی سی ایس (H. Beveridge I.C.S) نے مولوی عبدالولی کو خبر دی کہ رُباعیات ابوسعید ابوالخیر کا ایک قلمی نسخہ برٹش میوزیم مین بھی محفوظ ہے، چنانچہ مولوی صاحب نے اُس کی نقل صاحب موصوف ہی کی وساطت سے حاصل کرکے اپنے حواشی کے ساتھ نومبر ۱۹۱۱ء مین اس کو بھی شائع کیا، اور ان رباعیات کا سلسلہ وار نمبر ۲۲۹ لغایت ۴۱ رکھا، اور ایسی رباعیان جو پہلے مجموعہ مین نمبر ۱ لغایت ۲۲۸ شائع ہو چکی تھین، اُن کو اس مجموعہ (۲۲۹ لغایت ۴۱) مین جگہ نہین دی، ان مذکورۂ بالا دو مجموعون کی اشاعت کے بعد مسٹر ایچ، ڈی، گریوزلا، آئی سی، ایس (Mr. H.D. Graves Law I.C.S) کو رُباعیات ابوسعید بن ابوالخیر کے دو نسخے حیدرآباد دکن مین دستیاب ہوئے، ایک مطبوعہ نسخہ جو حیدرآباد اسٹیٹ لائبریری مین تھا، اور جس کو مرزا محمد شیرازی نے بمبئی سے ۱۲۹۴ھ مین شائع کیا تھا، دوسرا ۱۸۱ رُباعیون کا ایک قلمی نسخہ جو حیدرآباد کے ایک کتب فروش کے ہان ردی مین پڑا ملا تھا، اور جس کا کاتب کوئی شخص سید قادری جیلانی تھا، اور زمانۂ حال کا لکھا ہوا معلوم ہوتا تھا،

ان مطبوعہ اور قلمی دونون نسخون مین مجموعی طور پر ۱۸۱ رُباعیان تھین، ان رباعیون مین ۱۰۳ رُباعیان تو ایسی تھین، جو مولوی عبدالولی کے شائع کردہ مجموعون مین موجود تھین، باقی ۷۸ رُباعیون کو صاحب موصوف نے اپنے مفصل دیباچہ، اُن کے انگریزی ترجمے، حواشی اور مصنف کے سوانح کے ساتھ ستمبر ۱۹۱۶ء مین شائع کیا تھا،

ان تمام مجموعون مین یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ جس طرح رباعیات عمر خیام مین دوسرے شعرائے فارسی کی رُباعیان مخلوط پائی جاتی ہین، اسی طرح رُباعیات ابوسعید بن ابوالخیر مین بھی رباعیات باخرزی کے علاوہ دوسرے فارسی شعراء کی رُباعیان مخلوط ہین، صاحب ریاض العارفین رضا قلی خان ہدایت کا دعویٰ ہے، کہ ایسی مخلوط رُباعیان کسی طرح تیس[۱] سے کم نہین ہین، ان مین سے مشتے نمونہ از خروارے چند رباعیان جن سے صاحب ریاض العارفین کے دعوی کی تصدیق ہوتی ہے، ہدیۂ ناظرین کیجاتی ہین :-

حضرت ابوسعید کی رُباعی نمبر (۲۰۹)

خواہی کہ ترا دولت ابرار رسد — مپسند کہ از تو بر کس آزار رسد

از مرگ میندیش و غمِ رزق مخور — کین ہر دو بوقتِ خویش ناچار رسد

اور رُباعی نمبر ۲۲ (گریوز لا ایڈیشن)

مردانِ رہش میل بہستی نکنند — خود بینی و خویشتن پرستی نکنند

آنجا کہ مجردانِ حق می نوشند — خمخانہ تہی کنند و مستی نکنند

یہ دونون رُباعیان شاہ سنجان خوافی کی طرف منسوب[۱] ہین، رباعی نمبر ۲۹۵،

آن روز کہ بندہ آوریدی بوجود — میدانستی کہ بندہ چون خواہد بود

یارب تو گناہ بندہ بر بندہ مگیر — کین بندہ ہمین کند کہ تقدیر تو بود

حضرت خواجہ حسن قندھاری کی طرف منسوب ہے، اور رُباعی نمبر ۳۹۲،

گر در طلب گوہر کانی کانی — گر زندہ بوئی وصل جانی جانی

القصہ حدیث مطلق از من بشنو — ہر چیز کہ در جستنِ آنی آنی

مولانا یعقوب چرخی کی طرف منسوب ہے، رباعی نمبر ۳۶۸

---

[۱] آتشکدہ آذر ص ۱۰۹،

اسرار ازل را نہ تو دانی و نہ من — وین حرف معما نہ تو دانی و نہ من

ہست از پس پردہ گفتگوی من و تو — چون پردہ برافتد نہ تو دانی و نہ من

شیخ ابو الحسن خرقانی المتوفی ۴۲۵ھ اور عمر خیام[1] دونوں کی طرف منسوب ہے،

رباعی نمبر ۱۴۲ (گریوزلا ایڈیشن)

اے واقف اسرار ضمیر ہمہ کس — در حالت عجز دستگیر ہمہ کس

یارب تو مرا توبہ دہ و عذر پذیر — اے توبہ دہ و عذر پذیر ہمہ کس

رباعیات عمر خیام مطبوعہ نول کشور میں[2] بھی موجود ہے، رباعی نمبر ۲۳ (گریوزلا ایڈیشن)

این عمر بابر نو بہاران ماند — این دیدہ بسیل کوہساران ماند

اے دوست چنان بزی کہ بعد از مردن — انگشت گزیدنی بیاران ماند

اوحدی یزدی کی طرف منسوب ہے، رباعی نمبر ۳۱

چون شب برسد ز صبح خیزان میباش — چون شام شود ز اشک ریزان میباش

آویز در آن کہ ناگزیر است ترا — وز ہر چہ خلاف او گریزان می باش

بجنسہ حضرت جامی علیہ الرحمہ کی رباعیات میں ملتی ہے، صرف مصرعہ دوم میں لفظ شام کی جگہ جامی علیہ الرحمہ کے ہاں لفظ صبح ہے حضرت سعدی علیہ الرحمہ کی رباعی

رمز از فلک بطرف بام آوردن

وز رومی کلیسیا بشام آوردن

در وقت سحر نماز شام آوردن

---

۱ رباعیات عمر خیام نول کشوری ص ۰۰

۲ ایضاً ص ۶۱

بتوان نتوان ترا بدام آوردن

اور جامی علیہ الرحمہ کی رباعی

سرخی ز رخ لعل لبنگ آوردن — در گل بگیاہ بوے ورنگ آوردن

مقصود دل از کام نہنگ آوردن — بتوان نتوان ترا بچنگ آوردن

حضرت ابو سعید کی رباعی نمبر ۳۵۵

از بادہ بروے شیخ رنگ آوردن — ناقوس بکعبہ در درنگ آوردن

اسلام بجانب فرنگ آوردن — بتوان، نتوان، ترا بچنگ آوردن

سے ملتی جلتی ہیں، فرق یہ ہے کہ حضرت سعدی کی رباعی کا قافیہ دوسرا ہے،

ذیل کے تقابلی مقابلہ سے صاف ظاہر ہوگا کہ جس طرح مذکورہ بالا شعراء کی رباعیاں حضرت ابو سعید بن ابو الخیر کی رباعیات میں مخلوط پائی جاتی ہیں، اسی طرح حضرت شیخ سیف الدین باخرزی کی چند رباعیاں بھی رباعیات ابو سعید بن ابو الخیر میں مخلوط ہیں، البتہ بعض رباعیوں میں یہ مماثلت تھوڑے تغیر کے ساتھ ہے۔

رباعیات باخرزی[1] نمبر (۷)	رباعیات ابو سعید بن ابو الخیر نمبر (۱۳۴)
ہر چند گہے ز عشق بیگانہ شوم	ہر چند گہے ز عشق بیگانہ شوم
با عافیت آشنا دہم خانہ شوم	با عافیت گفت و ہم خانہ شوم
ناگاہ پری رخے بمن برگزرد	ناگاہ پری رخے بمن برگزرد
برگردم از ان حدیث دیوانہ شوم	برگردم از ان حدیث دیوانہ شوم

---

۱ ملاحظہ ہو معارف ۱۱ مئی ۱۹۵۱ء

نمبر (۸)

گر من گنہ جملہ جہان کردستم
لطفِ تو امید ست کہ گیرد دستم
گفتی کہ بوقت عجز دستت گیرم
عاجز تر ازین مخواہ کاکنون ہستم

نمبر (۱۵)

اے مہرِ تو در سینۂ ہر صاحب راز
پیوستہ در رحمت تو بر ہمہ باز
ہر کس کہ بدرگاہِ تو آید بہ نیاز
محروم ز درگاہِ تو کے گردد باز

نمبر (۲۰)

دارم گنہان ز قطرۂ باران بیش
دل ہست مرا ازین نیش خستہ و ریش
با ما کرمش گفت بلا اے درویش
تو درخورِ خود کنی و ما درخورِ خویش

نمبر (۲۲)

با عشق تو عہد جان ما مشتاقیست
ما ہیم و غم عشق تو تا جان باقیست
غم نقل و ندیم درد و مطرب نالہ

نمبر (۳۳۳)

گر من گنہ روے زمین کردستم
لطفِ تو امید ست کہ گیرد دستم
گفتی کہ بروز عجز دستت گیرم
عاجز تر ازین مخواہ کاکنون ہستم

نمبر ۳۴ (گریوز لا ایڈیشن)

اے مہرِ تو در سینۂ ہر صاحب راز
پیوستہ در رحمتِ تو بر ہمہ باز
ہر کس کہ بدرگاہِ تو آید بہ نیاز
محروم ز درگاہِ تو کے گردد باز

نمبر (۱۲۰)

دارم گنہان ز قطرۂ باران بیش
در شرم گنہ فگندہ ام سر در پیش
آواز آمد کہ شاد باش اے درویش
تو درخورِ خود کنی و ما درخورِ خویش

نمبر (۲۵۰)

ما عاشق و عہد جانِ ما مشتاقیست
ما ہیم ز دورِ عشق تا جان باقیست
غم نقل و ندیم درد و مطرب نالہ

مے خونِ جگر مردم چشمم ساقیست

نمبر (۲۳)

از دیدۂ سنگ خون چکاند غمِ تو
بیگانہ و آشنا چہ داند غمِ تو
دم در کشم و ہمہ غمت نوش کنم
تا از پسِ من کس نماند غمِ تو

نمبر (۲۸)

بے علم و عمل بہشت یزدان مطلب
بے خاتم دین ملکِ سلیمان مطلب
چون عاقبت کار فنا خواہد بود
آزارِ دلِ ہیچ مسلمان مطلب

نمبر (۳۵)

گرچہ زگناہ جست دخواہد بود
آن یار عزیز تندخو خواہد بود
از خیر محض جز نکوئی ناید
خوش باش کہ عاقبت نکو خواہد بود

نمبر (۴۲)

در گفتنِ ذکر حق زبان از ہمہ بہ
طاعت کہ بشب کنی نہان از ہمہ بہ

مے خونِ جگر مردم چشمت ساقیست

نمبر (۱۸۴)

از دیدۂ سنگ خون چکاند غمِ تو
بیگانہ و آشنا نداند غم تو
در دے خورم و غمت ہمی نوش کنم
تا آنکہ کسی دگر نماند غم تو

نمبر (۲۲۹)

از چرخ و فلک گردش یکسان مطلب
در دورِ زمانہ عدلِ سلطان مطلب
روزے دو سہ بیچ کہ در جہان خواہی بود
آزارِ دلِ ہیچ مسلمان مطلب

نمبر ۲۷ (ایچ ڈی گریوزلا)

گویند بحشر گفتگو خواہد بود
وان یار عزیز تندخو خواہد بود
از خیر محض جز نکوئی ناید
خوش باش کہ عاقبت نکو خواہد بود

نمبر (۳۰۳)

در گفتنِ ذکر حق زبان از ہمہ بہ
طاعت کہ بشب کنی نہان از ہمہ بہ

خواہی ز پل صراط آسان گذری
نان دہ بگرسنگان کہ نان از ہمہ بہ

نمبر (۵۹)

با محنت و اندوہ قرینم کردی
محتاج بیک نان جوینم کردی
این مرتبہ مقربان درست
آیا بچہ خدمت این چنینم کردی

خواہی ز پل صراط آسان گذری
نان دہ بگرسنگان کہ نان از ہمہ بہ

نمبر (۶۰)

با فاقہ و فقر ہم نشینم کردی
محتاج بیک نان شبینم کردی
این مرتبہ مقربانِ درست
یارب بچہ خدمت این چنینم کردی

سو سال پہلے کے اخبارات

مین

میرے اساتذہ کا ذکر

از

جناب مولانا سید بدر الدین صاحب علوی استاذ شعبۂ عربی مسلم یونیورسٹی

"علی گڈھ کی جامع مسجد کا عربی مدرسہ جو کسی نہ کسی شکل مین اب تک جاری ہے انتہائی قدیم درسگاہ ہے اگرچہ وہ کوئی مرکزی دار العلوم نہین رہا تھا لیکن کسی زمانہ مین مفتی عنایت احمد صاحب اور مفتی لطف اللہ صاحب مرحوم جیسے استاذ الکل علما اس کی مسندِ درس کی زینت رہ چکے ہین جن کے فیض سے سیکڑون علما پیدا ہوئے، اس مضمون سے اس قدیم مدرسہ کے آج سے سو سال پہلے کے حالات پر روشنی پڑتی ہے، اس لئے ایک تاریخی یادگار کی حیثیت سے اس کو شائع کیا جاتا ہے" "م"

جنوری ۱۹۵۰ء کے اسلامک کلچر حیدرآباد دکن مین میرا مضمون اعجاز القرآن پر چھپ کر جب میرے پاس آیا، تو اس سے ملا ہوا دوسرا مضمون دہلی اردو اخبار اور اس کی اہمیت پر کے سجن لال صاحب کا نظر آیا، لیکن مجھے اوس کے دیکھنے کا موقع نہ ملا، عرصۂ دراز کے بعد جب رسالہ کو ایک صاحب نے مستعار لے کر واپس کیا تو محض حسن اتفاق سے اس پر نظر ڈالنے کو جی چاہا، فرصت تھی، آغاز سے سرسری نگاہ ڈالی، چند صفحات کے بعد مفتی صدر الدین خان کا نام سامنے آیا، اب ذرا دلچسپی ہوئی، اور آگے بڑھا تو دیکھا کہ حضرت استاذ الاساتذ مفتی عنایت احمد صاحب کا اسم گرامی لکھا ہوا ہے، دل باغ باغ ہوا، دلچسپی بڑھی، غور سے اس پورے ٹکڑے کو پڑھا

تو حضرت استاذ الکل رحمۃ اللہ علیہ کا اسم مبارک دیکھا، اچھل پڑا، اور جو کیفیت سرور و انبساط کی حاصل ہوئی، وہ ناقابل تحریر ہے، بار بار اس ٹکڑے کو پڑھ کر لطف اندوز ہوا، پھر احباب و تلامذہ سے اس کا ذکر کیا، چونکہ سجن لال صاحب نے اردو اخبار کے مضمون کو انگریزی مین نقل کیا ہے، جی چاہا کہ اصل اردو عبارت مضمون نگار سے مانگون، چنانچہ اسلامک کلچر کے ذریعہ ان کو خط لکھا، مین موصوف کا نہایت شکر گذار ہون کہ انھون نے تکلیف فرما کر اخبار الحقائق آگرہ مورخہ ۲۶ مارچ ۱۸۵۱ء اور ۱۸ و ۲۰ فروری ۱۸۵۲ء کی اصل عبارتین جو مجھے مطلوب تھین، نقل کر کے عنایت فرمائین، جن کو مین بجنسہٖ ناظرین معارف کے سامنے پیش کرنا اپنی سعادت کا موجب سمجھتا ہون،

۱- اخبار الحقائق و تعلیم الخلائق آگرہ مورخہ ۲۶ مارچ ۱۸۵۱ء۔

خبر علی گڈہ :- وہان کے جمیع شرفا و روسا جناب نواب لفٹنٹ گورنر بہادر کے شکر گذار ہین کہ جناب محتشم الیہ نے باستماع حال درس و تدریس مدرسہ علی گڈہ کمال رضامند ہو کے سو روپیہ انعام دیئے ہوئی مفتی عنایت احمد صاحب مہتمم مدرسہ اور مدرسین کی از بس تحسین کی، واقعی مین دو مدرسہ اور مہتمم ممدوح اور مدرسین سب قابل تحسین اور آفرین ہین کہ ایک عجیب علوم خیز مدرسہ ہے،

حال اس مدرسہ کا یہ ہے کہ عرصہ ۲۲ سال سے مسٹر ٹیلر صاحب بہادر کمشنر اکبر آباد نے کہ اس زمانہ مین کلکٹر ضلع علی گڈہ کے تھے، اس مدرسہ کو مقرر فرمایا، اور صرف اس کا کچھ اپنی سرکار خاص اور کچھ اپنے بھائی ایڈورڈ فرانسس ٹیلر صاحب بہادر کی سرکار سے مقرر کیا، اور کچھ روسا و تعلقہ داران ضلع اور عملہ سے بھی دلوایا،

اس مدرسہ مین تین درجے ہین :-

اول درجہ مدرس اعلیٰ کا ہے، اس مین علوم عربیہ کا درس ہوتا ہے، ہدایہ اور مقامات حریری دیوان متنبی اور صدرا اور شمس بازغہ اور سب علوم عربی کی کتابین پڑھائی جاتی ہین،

دوسرے درجہ مین ابتدائی عربی کتابین اور علم الحساب اور تحریر اقلیدس اور جغرافیہ اور کتب اردو و فارسی پڑھائی جاتی ہین،

تیسرے درجہ مین کتب اردو و فارسی اور علم حساب پڑھائے جاتے ہین، اور طالب علم دور دور کے اس مدرسہ مین اکثر تحصیل کرتے ہین، یہ مدرسہ باعث رونق شہر اور موجب فوائد و فیض یابی ساکنان بلاد دور دست کا ہے، اب کہ نواب لفٹنٹ گورنر کی توجہ ہوئی تو یقین ہے کہ یہ مدرسہ بہت رونق پکڑ جائے گا، سو روپیہ جو حضور لفٹنٹ گورنر سے مدرسہ کے مصارف کو عطا ہوئے تھے، صاحب کلکٹر بہادر نے بذریعہ روبکاری بخدمت جناب مفتی صاحب مہتمم مدرسہ کے بھیجدیئے تا کہ بطور خود صرف کرین اور روبکاری مین نواب محتشم الیہ کی رضامندی و خوشنودی کا حال خوب مفصل اور مشرح ہے کہ اگر سال آیندہ کے امتحان مین ترقی علوم پائی جائے گی، تو باعث خوشنودی نواب محتشم الیہ کا ہوگا،

۲- اخبار الحقائق مورخہ ۱۸ فروری ۱۸۵۲ء

مدرسہ علی گڈہ :- ۲۰ تاریخ سنہ رواں (۱۸۵۲ء) کو مولوی مفتی عنایت احمد صاحب مفتی عدالت ضلع علی گڈہ منصف شہر کول امین مدرسہ باتفاق مولوی رضی الدین خان صاحب صدر الصدور بہادر اور مولوی محمد نصر اللہ خان صاحب ڈپٹی کلکٹر بہادر اور مرزا احمد علی خان صاحب وزیر[۵۱] اور محمد[۵۲] خان زمان خان صاحب رئیس بھیکم پور، اور منشی محمد احمد صاحب سررشتہ دار سابق عدالت دیوانی، اور مولوی خواجہ تراب علی[۵۳] صاحب وکیل محکمہ صدر امین کے شریک جلسہ امتحان طلبہ مدرسہ مقام مذکور ہوئے، تمام طالب علم کہ تیس سے زیادہ تھے، بروقت امتحان جوہر قابلیت سے کامل نکلے، اور اہالی مجلس ان کی خوش استعدادی سے بہت ...

---

۵۱ اس لفظ کو مین نہیں سمجھ سکا کہ کیا ہے، کیونکہ انگریزی لفظ ([illegible]) یہان کسی طور پر ٹھیک نہین بیٹھتا، شاید نقل مین کچھ غلطی ہو۔ ۵۲ خان زمان صاحب نواب صدر یار جنگ مرحوم کے حقیقی دادا تھے،

۵۳ خواجہ تراب علی صاحب خواجہ عبد المجید صاحب بیرسٹر مشہور سیاسی لیڈر کے دادا تھے، اور حضرت مفتی عنایت احمد صاحبؒ کے شاگرد،

راضی اور محظوظ ہوئے، اور جناب ڈپٹی صاحب ممدوح نے بوفور خرسندی خاطر بہت سے طالب علمون کو کتابین اور بعضون کو زر نقد بطور انعام عنایت کیا، مفتی صاحب امین مدرسہ نے بھی ستائیس طالب علمون کو انعام زر نقد اور کتاب سے مفتخر کیا، تفصیل اُن طالب علمون کی جنھون نے حصول انعام سے شرف و مباہات حاصل کیا ہے بہت طویل ہے، لیکن جن لوگون نے درجۂ اعلیٰ مین محسوب ہو کر انعام حاصل کیا ہے، اسامی اون کے ذیل مین مندرج ہوتے ہین، مولوی قطب الدین خان نے حاشیہ ملا یوسف کو بج مین، محمد لطف اللہ ولد محمد اسد اللہ نے ہدایہ اور معقول مین، عزیز الدین نے نور الانوار اور میر زاہد مین، نیاز احمد ولد منشی محمد احمد صاحب سررشتہ دار سابق دیوانی نے نور الانوار اور مقامات حریری مین الخ،

۳- اخبار الحقائق ۲۰؍ فروری ۱۸۵۲ء[1]

دربار نواب لفٹنٹ گورنر بہادر:۔ واضح ہوتا ہے کہ جناب نواب معلی القاب لفٹنٹ گورنر بہادر نے چار تاریخ ماہ حال (جنوری ۱۸۵۲ء) کو علی گڈھ مین دربار فرمایا، پہلے مولوی رضی الدین خان صاحب صدر الصدور بہادر اور مولوی عنایت احمد صاحب منصف کول و مفتی عدالت دیوانی و صدر امین، اور مولوی محمد نصر اللہ خان ڈپٹی کلکٹر بہادر اور حاجی محمد داؤد خان[2] صاحب صدر الصدور سابق آگرہ اور حسین علی خان صاحب تحصیلدار سکندر آباد، اور لالہ پیارے لال تحصیلدار کول باریاب ملازمت ہوئے، اول نواب عالی جناب نے حاجی صاحب ممدوح سے حال سفر حجاز کا استفسار فرمایا، بعد ڈپٹی صاحب موصوف سے (کہ) متوسل قدیم نواب عالی جناب کے ہین، خیر و عافیت اُن کے مزاج اور اُن کے تمام عزیزون اور اقارب کی پوچھی اور کمال توجہ اور عنایت سے تذکرہ تیر[3] و غیرہ کا درمیان لا کر طرف مفتی صاحب امین مدرسہ کے متوجہ ہوئے، اور حال

---

[1] ۴ تاریخ ماہ حال کے ساتھ جو جنوری ۱۸۵۲ء لکھا ہوا ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اخبار مورخہ ۲۰ جنوری ہوگا نہ کہ فروری کا۔ [2] حاجی داؤد خان رئیس بھیکم پور دادا تھے نواب بہادر سر مزمل اللہ خان کے اور نواب صدر یار جنگ مرحوم کے چچیرے دادا۔ [3] نواب صدر یار جنگ مرحوم فرماتے تھے کہ داؤد خان صاحب کو سفر حجاز مین تیرو کا مرض ہو گیا تھا۔

استعداد و طلبہ مدرسہ کا استفسار فرمایا، چنانچہ مفتی صاحب اور صدر الصدور صاحب اور ڈپٹی صاحب نے حال خوبی امتحان اور حسن لیاقت اور استعداد طلبہ سے بہت کچھ عرض کیا، یہ حال سُن کر مفتی صاحب کی طرف مخاطب ہو کر یہ ارشاد فرمایا کہ ہم تمھارے مدرسہ اور حسن انتظام تعلیم و تعلم سے نہایت راضی ہین، اور اخیر جلسہ تک کمال عنایت و التفات مفتی صاحب کی طرف مخاطب رہے، بعد اس کے سب بزرگان موصوفین رخصت ہوئے، بعد اُن کے قاضی سید محمد ظفر الدین صاحب قاضی شہر کول اور محمد خان زمان خان صاحب رئیس بھیکم پور اور عنایت اللہ خان صاحب خلف حاجی محمد داؤد خان صاحب اور دو بیٹے خان زمان خان صاحب کے اور حکیم تفضل حسین خان صاحب رئیس کول اور موتی لال جواہر لال بیٹے مان سنگھ ساہو کار متوفی کے اور فیض احمد خان رئیس دتاولی بوساطت مسٹر ٹیلر صاحب کلکٹر علی گڈھ باریاب ملازمت ہوئے، اور نواب عالیجناب نے بعد قبول کرنے نذر دن کے بموجب تفاوت درجون کے سب کو شمول لطف و عنایت فرمایا؛"

کے سجن لال صاحب نے اپنے آخری خط مین میری دلچسپی کے اس قسم کے دوسرے مضامین کے لئے ایسے چند مقالات کا اجمالی حوالہ دیا، جو انھون نے ہسٹاریکل ریکارڈس کمیشن کے مختلف اجلاسون مین پڑھے ہین، حقیقہ اور دلچسپی نے روداد ون کی ورق گردانی کو آسان کر دیا، ہماری یونیورسٹی لائبریری مین جتنی روداد ین موجود ہین ان مین سے صرف ایک ہی یعنی اجلاس کمیشن منعقدہ بے پور ۱۹۲۳ء مین سجن لال صاحب کا مضمون عمدۃ الاخبار بریلی پر ملا، اس مین حضرت استاذ الاساتذہ کا اسم گرامی ہے، اور اس طرح فی الجملہ محنت ٹھکانے لگی، اس مضمون کی عبارت متعلقہ کا ترجمہ درج ذیل ہے، ملاحظہ ہو کتاب مذکور ص ۱۰،

۲۰ر فروری ۱۸۵۵ء ایک عام جلسہ اعتماد الدولہ کے مقبرہ پر ہوا، ڈاکٹر جان مرے نے صدارت کی، صاحب صدر نے فصاحت و بلاغت کے ساتھ فیاضانہ عطیون کی ترغیب دی، اور مسٹر وزیر علی[1] سب اسسٹنٹ

(باقی حاشیہ ص ۲۱۶) انکے متعلق گفتگو دونون سے ہوئی ہوگی، مگر عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ ڈپٹی نصر اللہ خان سے یہ گفتگو ہوئی، غالباً نقل مین سہواً کچھ تصرف ہو گیا ہے [1] کیا عجب ہے کہ یہ وہی صاحب ہون جن کو حافظ وزیر علی صاحب کے نام سے

سرجن نے اس کی تائید کی، پیر محمد حسن اور صدر الصدور (مفتی عنایت احمد صاحب) نے بھی (جنگ روم و روس کے سپاہیوں کی) بیواؤں اور یتیموں کی تکالیف پر زور دیا، ... حسب ذیل چندوں کا اعلان ہوا،

مفتی عنایت احمد خان صدر الصدور (للعہ) مولوی سید غلام امام وکیل (للعہ)

مولوی نفس احمد وکیل	(للعہ)	لالہ فتح چند وکیل	للعہ
لالہ کنھیالال	عشہ	لالہ تتنبھو پرشاد،	صہ،
لالہ شنکر،	(صہ)		

عمدۃ الاخبار بریلی کے جس تاریخ کے پرچہ سے یہ خبر مضمون نگار نے درج کی ہے، اس کو تحریر نہیں کیا، شاید سہواً یہ ضروری بات درج کرنے سے رہ گئی،

حضرت استاذ الاساتذہ کی نشستگاہ اور چاہ پختہ ایک بلندی پر بمقام محلہ بالائے قلعہ علی گڈھ آج سے تقریباً بیس سال قبل تک موجود تھے اور مفتی والی حویلی مفتی والا کنواں کے نام سے مشہور ... گو کہ زمانہ سے اب ملکیت علی گڈھ کے چند اشخاص کی تھی، مین جب ادھر سے گذرتا تو نگاہ اٹھ جاتی اور خیال ہوتا کہ اللہ اکبر یہی کمرہ ہمارے حضرت کا استفادہ گاہ تھا، وہ بلند زمین بذریعہ فروخت، دوسرے ہاتھوں مین پہونچی اور اب مکان اور کنواں غائب ہو کر جدید مکانات اوس پر کھڑے ہین، سچ ہے، وتلک الایام نداولہا بین الناس،

کلام لطف مین استاذ العلماءؒ کے سوانح حیات کے سلسلہ سے اُن کے علمی کمالات کے باب کا اشارۃً ذکر آچکا ہے، متاسف ہون کہ اس وقت تک اس پر قلم اٹھانے کی توفیق نہ ہوئی، آج ایک جز اس باب کی پیش کرتا ہون،

(بقیہ حاشیہ ص ۲۱۷) (۲) حضرت نے اپنی کتاب علم الصیغہ مین ذکر فرمایا ہے کہ وہ باعث تصنیف ہوے، اس صورت مین موصوف بھی بریلی سے جزیرہ شور بھیجے گئے ہون گے،

استاد کے ساتھ بزمانہ قیام بریلی کہ طالب علم تھے، سنہ ۱۲۷۳ھ مین ایک نسخہ تفسیر بیضاوی کا پندرہ روپیہ مین خرید فرمایا، سرورق کے حاشیہ پر خرید کی یادداشت عربی مین لکھی جس مین سات جملے ہین، ہر جملے سے خرید کا سنہ نکلتا ہے، طالب علمی مین تاریخ گوئی پر ایسی قدرت آیندہ کے کمالات کا پیش خیمہ تھی، اس عبارت کے ساتون جملے درج ذیل ہین،

۱- ھو ھادی الخیرات (۱۲۷۳) ۲- احمد اللہ الباسط العظیم، (۱۲۷۳)

۳- واصلی علی حبیبہ سید الرسل وعلی آلہٖ وصحبہ مؤیدی الدین القویم، (۱ ۲ ۷ ۳)

۴- وبعد فانی لقد ملکت بعون اللہ العلیم الھادی، (۱ ۲ ۷ ۳)

۵- ھذا السفر البھی والسامی (۱ ۲ ۷ ۳) ۶- صنفہ العلامۃ ھو البیضاوی، (۱ ۲ ۷ ۳)

۷- ابتعت وانا فی بریلی، بالعشر ونصفھا بعون الواحد الحلیم العلی (۱ ۲ ۷ ۳)

۸- العبد العاصی المعتصم بحبل اللہ لطف اللہ (۱ ۲ ۷ ۳)

ہمارے حضرت کے تلامذہ مین ایک خصوصیت یہ تھی جو دیگر اساتذہ وقت کے تلامذہ مین تقریباً نہ تھی کہ جو شخص بھی فیض سے بہرہ یاب ہوا، استاذ سے محبت اور عقیدت کی جھولیان بھر بھر کر اپنے ساتھ لیگیا، مولانا محمد علی صاحب بانی ندوۃ العلماء، مولانا احمد حسن صاحب کانپوری، مولانا عبد القدوس صاحب پنجابی وغیرہم کے بیسیون واقعات اس کے شاہد ہین، مثالاً چند مشاہیر کے نام عرض کر دیے، ورنہ ہر شاگرد جذبۂ محبت و عقیدت سے مالا مال ہوا،

آخر مین کے سجن لال صاحب کا مکرر شکر ادا کرتا ہون جن کے بدولت اس مضمون کے لکھنے کی سعادت سے بہرہ مند ہونے کا موقع ملا، موصوف قدیم اردو اخبارات کے متعلق معلومات کا ایک گنجینہ ہین، اور ان کے پاس بڑی تعداد مین قدیم اخبارات کی جلدین محفوظ ہین، ناظرین کرام مین سے جن صاحب کو اس موضوع سے دلچسپی ہو موصوف سے ذیل کے پتہ پر خط و کتابت کرین :- کے سجن لال صاحب، سجن لال اسٹریٹ، سکندرآباد دکن

تلخیص و تبصرہ

ہندوستان کے مسلمان حکمرانون
کے
عہد کی ایک جھلک

ڈاکٹر تاراچند ام اے ڈی، فل (آکسن) آج کل حکومت ہند کے محکمہ تعلیم کے تعلیمی مشیر ہین
اُن کی مشہور تصنیف Influence of Islam on Indian culture"
مختلف یونیورسٹیون کے نصاب مین داخل ہے، اس کتاب کے کچھ حصہ کی تلخیص ہم ذیل مین درج کرتے
ہین، تاکہ ناظرین کو یہ اندازہ ہو کہ ہندوستان کے مسلمان حکمرانون نے کس رواداری کے ساتھ حکومت
کی، اور اُن کی اس رواداری کے کیا کیا اثرات مترتب ہوتے گئے، ڈاکٹر تاراچند رقمطراز ہین،

| ہندو نوازی | جب مسلمانون کی حکومت ہندوستان مین قائم ہوئی، توانھون نے ہندوؤن کو مختلف |

عہدون پر مقرر کرنا ضروری سمجھا، محمود غزنوی کی فوج مین بھی بکثرت ہندو سپاہی تھے، جو اس کی خدمت
مین وسط ایشیا جا کر لڑے، اور اس کے ہندو فوجی کماندار تلک نے اس کے ایک مسلمان فوجی عہدیدار نیال
تگین کی بغاوت کو فرو کیا اور جب قطب الدین ایبک نے ہندوستان مین رہ کر حکومت کرنے کا فیصلہ
کیا، تو اس نے ملکی نظام کو چلانے کے لئے ہندوؤن ہی کو مقرر کیا، کیونکہ اُن کے بغیر سارا نظام درہم
برہم ہو جاتا، مسلمان ہنرمندون، محاسبون اور مُحرّرون کو اپنے ساتھ نہین لائے تھے، ہندوؤن ہی

[illegible] کے لئے عمارتین بنائین، جن مین پرانی چیزین نئے حالات کے مطابق شامل کی گئین، ہندو سنارون ہی
نے مسلمان حکمرانون کے سکے ڈھالے، اور ہندو محاسبون نے اُن کے حساب کتاب درست کئے، پنڈتون
نے ہندو قوانین پر عملدرآمد کرانے مین ان سلاطین کو مشورے دیئے، اور برہمن نجومیون کی رائے سے مختلف قسم
کے حکومت اور دربار کے کام انجام پاتے تھے،

مسلمان ہندوستان آئے، تو اس کو انھون نے اپنا وطن بنایا، وہ ہندوؤن کے ارد گرد رہتے تھے، اس لئے
[illegible] مخاصمت و عناد کے ساتھ اُن کے لئے زندگی بسر کرنا ممکن نہ تھا، اس باہمی میل جول سے ایک نے دوسرے
[illegible] سمجھنے کی کوشش کی، بہت سے ہندوؤن نے اسلام قبول کر لیا تھا، لیکن مذہب کی تبدیلی سے ان مین
[illegible] زیادہ فرق پیدا نہین ہوا، اور جب مسلمانون سے مغلوب ہو جانے کا صدمہ جاتا رہا تو ہندو مسلمان دونون
نے ایک ایسا طرز زندگی اختیار کرنے کی کوشش کی، جس سے دونون اچھے ہمسایہ کی طرح زندگی بسر کر سکین،
اس نئے طرز زندگی سے ایک ایسا کلچر پیدا ہوا جو نہ تو بالکل ہندوؤن ہی کا تھا، نہ خالصۃً مسلمانون کا بلکہ
[illegible] مخلوط ہندو مسلم کلچر تھا، اسی طرح ہندو مذہب، ہندو آرٹ، ہندو ادب، اور ہندو سائنس نے اسلامی
اثرات قبول کرنے شروع کئے، اور ہندو کلچر اور ہندو ذہنیت مین بھی تبدیلی پیدا ہونے لگی، اور پھر انیسویں صدی
[illegible] پنجاب، ہندوستان اور بنگال کے مذہبی پیشواؤن نے پرانے اعتقادات کی بہت سی باتون کو
تسلیم کرنے سے انکار کر دیا،

| فن تعمیر | ہندوستان کی عمارتون مین بھی مسلمانون کے اثرات ظاہر ہونے لگے، ہندوؤن کے محل |

مندرون اور فرضی قبرون کے طرز تعمیر مین پرانا اسٹائل جاتا رہا، اُن مین ایک نئی روح پیدا ہونے
لگی، اور جمالیاتی ذوق مین نمایان فرق ظاہر ہوتا گیا، اور یہ اثرات ملک کے کسی خاص حصہ مین محدود
نہین رہے، بلکہ راجپوتانہ اور وسط ہند کی ہندو ریاستون کے علاوہ، متھرا، بندرابن، بنارس جیسی مقدس
جگہون، اور کھٹمنڈو اور مدورا جیسے دور دراز مقامات کی عمارتون مین بھی یہ اثرات پائے جانے لگے،

مسلمانون کی مسجدون، مقبرون، اور محلون مین بھی ہندوستانی طرز کی جھلک پیدا ہونے لگی، اُن کی تعمیرات مین عربی اور ایرانی عناصر ضرور ہوتے تھے لیکن ان عناصر کے باوجود ایک ایسا نیا اسٹائل پیدا ہو گیا جس مین ہندو اثرات بھی تھے،

زبان — عام لوگون کی ضروریات سنسکرت زبان سے پوری نہین ہوتی تھین، اس لئے خیالات کے اظہار کے لئے نئی نئی زبانین پیدا ہونے لگین، شمالی ہند مین ہندی، مغرب مین مرہٹی، اور مشرق مین بنگالی زبانون نے جنم لیا، اور یہ علمی زبانین بھی بنتی گئین، جن کی ترقی و فروغ مین ہندو اور مسلمان دونون کا حصہ تھا، پھر ایک نئی زبان کی بھی تشکیل ہوئی، مسلمانون نے ترکی اور فارسی دونون زبانون کو چھوڑ کر ہندوستان کی زبان اختیار کی، اور فن تعمیرات اور مصوری کی طرح اپنی ضروریات کا لحاظ رکھتے ہوئے زبان کو بھی اپنے ڈھنگ کے مطابق بنانا شروع کیا، جس سے ایک نئی علمی زبان پیدا ہوئی، جس کا نام اردو رکھا گیا، اور ہندو مسلمان دونون نے اس کو اپنی زبان قرار دیا، جس طرح ایک خاص قسم کے علمی خیالات کے لئے ہندی بھاشا استعمال کی جاتی تھی، اسی طرح اردو مین بھی ہندو مسلمان دونون اپنے خاص خاص خیالات و جذبات کا اظہار کرنے لگے،

فنون — ریاضی، ہیئت اور طب مین ہندوؤن کا علم وسیع تھا، عربون نے اُن سے استفادہ کیا، لیکن ان فنون مین عربون نے یونانیون سے بھی بہت کچھ سیکھا تھا، اس لئے ہندوون اور یونانیون کے ملے جلے علوم کی مدد سے انھون نے نئے علوم کی بنیاد ڈالی، اور جب مسلمان ہندوستان آئے تو ایسے علوم و فنون اپنے ساتھ لائے، جو ہندوؤن کے علوم سے کسی درجہ مین کمتر نہ تھے، بلکہ ان مین بہت سی نئی چیزین بھی تھین، ہندوؤن نے ان نئی چیزون کو قبول کرنے سے انکار نہین کیا، ہندو ماہرین ہیئت نے مسلمانون سے بہت سی اصطلاحات مستعار لین، طول البلد اور عرض البلد کے حساب کرنے کا طریقہ سیکھا، اور زیچ کی بہت سی باتین بھی انھون نے مسلمانون ہی سے سیکھین، ہندو زائچے مین تاجک مسلمانون

… کی بہت سی … کے بعد سے اضافہ ہوا ہے، اور ہندوؤن کی زیچ مین مہاراجہ جے سنگھ (۱۶۸۶ء – ۱۷۴۳ء) نے بہت سی … اصطلاحات کین، اس نے جے پور، متھرا، دہلی اور بنارس مین رصد خانے قائم کئے، اُس کی ہدایت سے ہندوؤن … عربی زبان سے مجسطی کا سنسکرت مین ترجمہ کیا، اور اُس نے زیچ محمد شاہی کی تیاری مین الغ بیگ … نصیر الدین طوسی، ایلخانی جمشید کاشی (خاقانی) وغیرہ کی فلکیاتی جدولون کو استعمال کیا، طب مین ہندوؤن نے دھات … کے تیزاب Alro-chemistry اور دوسرے فنون کے طریقون کا علم مسلمانون ہی … سے سیکھا، ہندوستان مین مسلمانون ہی نے کاغذ سازی، مینا کاری، ظروف سازی، سونے اور چاندی … کی پچی کاری وغیرہ کو رائج کیا،

معاشرتی و سیاسی اثرات — مسلمانون کے اثر سے نہ صرف ہندوستان کی اقتصادی زندگی، بلکہ یہان کی معاشرت … اور سیاست مین بھی کافی انقلابات پیدا ہوئے، اسلام کی معاشرتی زندگی جمہوریت پر مبنی ہے، اور مسلمانون … مین خاندان و نسل کو بہت زیادہ اہمیت نہین دی گئی ہے، اس سے ہندو بھی متاثر ہوئے، اور انھون … نے بھی معاشرتی بندشون کو توڑ کر معاشرتی مساوات پیدا کرنے کی کوشش کی،

مسلمانون کی آمد سے پہلے ہندوستان کا سیاسی نظام جاگیردارانہ تھا، چھوٹے چھوٹے قبیلے آزاد رہتے تھے، … وہ مشکل سے کسی بادشاہ کے اقتدار اعلیٰ کو تسلیم کرتے تھے، پوری ریاست قبیلون، صوبون، ضلعون، اور … علاقون کے علحدہ علحدہ سرداروں مین منقسم تھی، اور ایسے نظام مین جتنی خرابیان ہو سکتی تھین، وہ … سب موجود تھین، جب مسلمانون کی حکومت قائم ہوئی، تو انھون نے آزاد توتون کا قلع قمع کرنا شروع … کیا، اور ایسے تمام سردارون کا استیصال کر دیا، جو مرکزی حکومت اور عام لوگون کے درمیان حائل … تھے، اس طرح ایک سیاسی وحدت پیدا ہو گئی، اور عام لوگون مین ایک مرکز کے تابع بننے کا جذبہ … پیدا ہو گیا،

ہندوستانی زندگی کے ہر شعبہ مین مسلمانون کے اثرات پڑے، لیکن یہ اثرات رسم و رواج،

گھریلو زندگی، موسیقی، پوشاک و لباس، کھانے پکانے کے طریقون، شادی بیاہ کے مراسم، تہوارون، میلون، اور مرہٹہ، راجپوت اور سکھ والیانِ ریاست کے دربارون کے آداب مین زیادہ نمایان نظر آتے ہین، بابر کے زمانہ مین ہندو مسلمان دونون اس طرح سے چلے رہتے تھے کہ بابر مسلمانون کے ہندوستانی طرزِ زندگی کو دیکھ کر متعجب ہوا تھا، مگر اس کے جانشینون نے اس طرزِ زندگی کو اس شاندار طریقہ پر آراستہ و پیراستہ کیا کہ انھون نے اپنے بعد جو کچھ چھوڑا...... اس پر ہندوستان بجا طور پر فخر و ناز کر سکتا ہے،

(ص ۔ ع)

نوائے حیات

از

جناب یحییٰ اعظمی

جناب یحییٰ اعظمی کا مجموعۂ کلام نوائے حیات جس سے ناظرینِ معارف اور دوسرے اصحابِ ذوق پوری طرح واقف ہین، وہ دوبارہ چھپ گیا ہے، اس ایڈیشن مین بہت سی نئی غزلون اور نظمون کا مجموعہ ہے، اور اب یہ مجموعہ پہلے سے زیادہ جامع اور مکمل ہو گیا ہے، اس کے شروع مین مولانا سید سلیمان ندوی کے قلمِ فیض رقم سے ایک مبصرانہ مقدمہ اور مولانا ابوالکلام آزاد کی ایک مختصر سی تقریظ ہے، جو بجائے خود قابلِ مطالعہ ہے،

قیمت مجلد للعہ، غیر مجلد عہ،

"منیجر"

بابُ التقریظ والانتقاد

معینُ الارواح کی تنقید کے جوابات

از

جناب نواب محمد خادم حسن صاحب یمنی گدڑی شاہی

(۲)

اعتراض مندرجۂ رسالہ معارف ص ۳۰، "معین الارواح کے فاضل مؤلف نے حضرت خواجہ کا سالِ ولادت سنہ ۵۳۰ھ قرار دیا ہے، لیکن اس سنہ کو صحیح تسلیم کرنے مین کچھ تامل اس لئے ہوتا ہے کہ تذکرہ زبون نے حضرت خواجہ کے مرشد حضرت خواجہ عثمان ہارونی کا سالِ ولادت سنہ ۵۲۶ھ لکھا ہے"

(خزینۃ الاصفیا ص ۲۵۶ جلد اول)

جواب :۔ حضرت خواجہ کا سنہ ولادت سنہ ۵۳۳ھ چھان بین کر کے مستند تذکرون سے لکھا گیا ہے، صاحب مراۃ الانساب، تاریخ سلطنت نے بھی سنہ ولادت لکھا ہے، اس سنہ کی مطابقت اقتباس الانوار (ص ۳۴۶) بحوالہ مراۃ الاسرار و کلمات صادقین کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے "کہ آپ کا وصال بعمر ۹۷ سال سنہ ۶۲۷ھ مین ہوا" نیز اس سنہ کی مطابقت سیر العارفین ص ۱۶ و سیر الاقطاب ص ۱۳۵ کی اس روایت "اور آپ کا وصال بعمر ۹۷ سال ہوا" کے پیشِ نظر رامپور کے کتب خانہ کے قلمی نسخہ تاریخ محمدیہ مرتبہ مرزا محمد حارثی بدخشی کے اس محققانہ بیان سے "کہ آپ کا وصال سنہ ۶۳۲ھ مین ہوا" ہوتی ہے، اس کے علاوہ بھی

ا؎ اس کی تحقیق کے مطابق نظر ثانی شدہ معین الارواح مین خواجہ کا سنہ وفات سنہ ۶۳۲ھ لکھا گیا ہے،

سنہ روایات مابعد سے بھی مطابقت کرتا ہے، جس کی تشریح طوالت سے خالی نہیں، اور جو نظر ثانی شدہ
معین الارواح میں موجود ہے، چونکہ حسب بیان ملفوظ نسخہ قلمی؎ خواجہ حضرت خواجہ عثمان ہارونی قدس
سرہ نے جب غریب نواز کو خرقہ خلافت عطا فرما کر رخصت کیا، اُس وقت (۵۸۲ھ میں) غریب نواز
کی عمر شریف باون سال کی، اور حضرت خواجہ عثمان ہارونی قدس سرہ کی عمر شریف ۷۰ سال کی تھی، اس
حساب سے حضرت خواجہ عثمان ہارونی قدس سرہ کی ولادت ۵۱۲ھ میں اور وفات ۱۰۵ کی عمر ۶۱۷ھ
میں ہوئی، غریب نواز کا سنہ ولادت ۵۳۷ھ ہجری جو عام تذکروں میں لکھا گیا ہے، وہ
پرانی کتابوں یعنی سیر العارفین، سیر الاقطاب، سیر الاولیا و فرشتہ وغیرہ میں نہیں ہے،

شاید عزیز ناقد نے مطبوعہ معین الارواح کے صفحات نمبر ۱ و نمبر ۲ لغایہ ۳۶ بغور نہیں پڑھے،
پڑھ لیتے تو ورود ہند کے متعلق اُن کی وہ غلط فہمی دور ہو جاتی، جس کا اظہار موصوف نے معارف
کے ص ۳۰۷ و ۳۰۸ میں کیا ہے، اور انھیں معلوم ہو جاتا کہ حضرت خواجہ بعمر ۳۱ سال، ۱ محرم ۵۶۱ھ میں پہلی
مرتبہ ہندوستان تشریف لائے، اور قریب قریب اسی عمر (۳۰ سال) میں حسب بیان انسائیکلوپیڈیا
آف اسلام شیخ سعدی نے بھی سیاحت شروع کی تھی، مگر حضرت خواجہ اس مرتبہ قلعہ شادمان سے
ملتان، لاہور، غزنین اور بلخ ہوتے ہوئے واپس بغداد شریف پہونچے، اور حسب بیان انیس الارواح
۲۰ سال تک مرشد کے ہمرکاب سفر میں خدمات انجام دیں، اس کے بعد ۵۸۲ھ میں بعمر باون سال
پیرو مرشد سے رخصت ہو کر سفر اصفہان کیا، پھر بغداد واپس آکر ۵۸۳ھ میں بمقام مسجد خواجہ ابو لیث
سمرقندی خواجہ قطب صاحب کو بیعت سے مشرف فرمایا، اس کے بعد زیارات حرمین کے لئے مع
خواجہ قطب صاحب تشریف لے گئے، اور مدینہ منورہ سے براہ ہرات مع خواجہ قطب صاحب کے ۵۸۵ھ

؎ قلمی نسخہ خزینہ دہ مخدوم قاضی شہاب الدین ناگوری کی اولاد میں ہیں) کے خاندانی پرانے ذخیرہ سے حاصل ہوا ہے، مگر اس کا سرورق
ندارد ہے، اس لئے نام نہیں لکھا جا سکا،

میں اجمیر وارد ہوئے، آپ کے اس ورود (ورود ہند بار دوم اور بار اول) کے متعلق ہربلاس سارداؔ نے اپنی
کتاب اجمیر کے ص ۴۸ پر بحوالہ طبقات ناصری، منتخب التواریخ، چارج مین چرمن اور انڈیا آف اورنگزیب
یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ حضرت خواجہ شہاب الدین غوری کے لشکر کے ساتھ ۵۸۸ھ میں تشریف
لائے، اور اجمیر میں پرتھوی راج کے زوال کے بعد پہنچے، مگر ہم کو اس سے قطعی اتفاق نہیں، اور ہم نے نظر ثانی
شدہ معین الارواح میں اس پر مفصل بحث کی ہے، اور سیر الاولیاء (ص ۴۶) ارمغان ہند (ص ۱۱۲ تا ۱۱۶) اخبار الاخیار
(ص ۲۲) بیوگرافیکل ڈکشنری از ہنری جارج بیلی ص ۲۷۶، مفتاح التواریخ (ص ، ۵) اسرار الاولیاء (ص ۵۸)
زاد السالکین (ص ۱۱) اور سیر الاقطاب (ص ۱۲۳) وغیرہ کے بیانات سے ہربلاس سارداؔ کے متذکرہ بالا بیان
کی تردید کر کے یہ ثابت کیا ہے، کہ حضرت خواجہ شہاب الدین غوری کے لشکر کے ساتھ تشریف نہیں لائے
بلکہ پرتھوی راج کے زوال سے پہلے ۵۶۱ھ میں وارد اجمیر ہوئے، دلیل العارفین میں حضرت قطب صاحب
کے اس بیان سے کہ "دو مہینہ تک سفر کر کے ہم اجمیر پہنچے، اس وقت اجمیر ہنود کی ملکیت تھا" بھی اس کی
تائید ہوتی ہے کہ یہ ورود اجمیر پرتھوی راج کے زمانہ میں ہوا، ۵۸۶ھ کے ورود ہند کے موقع پر حضرت
قطب صاحب کی ولادت تک نہیں ہوئی تھی، ورنہ وہ مرید ہوئے تھے؎، اس لئے یہ ورود ۵۸۶ھ سے نہیں بلکہ
۵۶۱ھ سے متعلق ہے، جبکہ اجمیر از ان ہنود (زیر پرتھوی راج) تھا، اور اُس کے بعد اجمیر از ان مسلمانان ہو گیا
اس لئے حضرت خواجہ بعمر ۵۲ سال ۵۸۲ھ میں مرشد سے رخصت ہوئے، اور ۵۸۲ھ سے ۵۸۵ھ ہجری تک
اصفہان و حرمین وغیرہ کے سفر میں رہے، اس کے بعد بحکم حضرت رسالت پناہ ﷺ مدینہ منورہ سے روانہ ہو کر بعمر ۵۵
سال ۵۸۷ھ میں وارد اجمیر ہوئے، معین الارواح اس خصوصیت کی حامل ہے کہ اس میں اس قسم کے
سنین کے تمام اختلافات کو دور کر کے ہر واقعہ کی مطابقت روایات کے زمانہ سے کی گئی ہے،

اعتراض :- معارف ص ۳۰۹ پر عزیز ناقد نے لکھا ہے، سلسلہ چشتیہ کے آداب کے یہ خلاف ہے کہ

؎ حسب بیان احسن السیر حضرت قطب صاحب بعمر ۱۶ سال ۵۸۳ھ میں داخل بیعت ہوئے،

سلطان شمس الدین کو اپنے مرشد کے مرید (قطب صاحب) سے والہانہ عقیدت ہوگی، اور اُس کی تائید میں خزینۃ الاصفیاء کا یہ بیان پیش کیا ہے :-

"بادشاہ یعنی سلطان التمش رحم دل و عادل و سلطان کامل و مکمل از خلفائے نامدار و مریدان باوقار خواجہ قطب الدین بختیار است" (جلد اص ۲۷۶)

جواب :- اپنے پیر کے کسی مرید سے عقیدت رکھنا صرف آدابِ چشتیہ کے مطابق ہے، بلکہ کسی سلسلہ کے آداب کے خلاف نہیں، اکثر پیروں نے اپنے مرید کو تعلیم و تلقین کے لئے اپنے خلفاء کے سپرد کیا ہے، خود خزینۃ الاصفیاء سے اس کے متعدد ثبوت ملتے ہیں جن کے خلاصے ذیل میں درج کئے جاتے ہیں

خزینۃ الاصفیاء ص ۲۴۰ :- پیشوائے چشتیاں خواجہ علو دینوری نے خواجہ ہبیرۃ البصری سے خرقۂ خلافت حاصل کیا، نیز حضرت معروف کرخی کے خلفاء سے خرقہ لیا، اُن کی نسبت چار درمیانی واسطوں سے حضرت معروف کرخی تک پہنچتی ہے"

ص ۲۲۸ :- حضرت خواجہ فضیل بن عیاض نے خرقۂ خلافت خواجہ عبدالواحد بن زید سے پہنا اور ابن عیاض بن منصور سے بھی خلافت حاصل کی"

ص ۲۸۳ :- شیخ محمد ترک نارنولی حضرت خواجہ عثمان ہارونی قدس سرہ سے مرید ہیں، اگرچہ بقول خزینۃ الاصفیاء :-

"خرقۂ خلافت از دست خواجہ معین الدین حسن چشتی سنجری نیز پوشید"

ص ۳۲۱ :- پھر حضرت شیخ شمس الدین ترک پانی پتی کے متعلق مرقوم ہے :-

"سوائے خلافت حضرت صابر از شیخ فرید الدین و الدین ہم خرقۂ خلافت پوشید"

اُن کے علاوہ اور بھی بہت ایسی مثالیں خاندانِ چشت میں موجود ہیں، بلکہ دربار رسالت میں بھی ایسا ہوا ہے اس لئے یہ چیز آدابِ چشتیاں کے خلاف نہیں ہو سکتی؛

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر حضرت عمر خطاب رضی اللہ عنہ نے بیعت کی، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے بیعت کی، اس کے بعد حضرت علی نے حضرت عثمان کے ہاتھ پر بیعت کی، حالانکہ یہ سب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کر چکے تھے، اور آپ کے صحابی تھے،

مگر شمس الدین التمش کے مرید ہونے کا واقعہ تو اس سے بھی کچھ مختلف ہے، جس کو کسی طرح آداب چشتیاں کے خلاف نہیں کہا جا سکتا، جیسا کہ میں نے مطبوعہ معین الارواح ص ۳۰ کے فٹ نوٹ میں ان الفاظ میں لکھا ہے :-

"شمس الدین نے غریب نواز سے استفادہ حاصل کیا، قطب صاحب سے مرید تھا، حضرت خواجہ عثمان ہارونی قدس سرہ سے تجدید بیعت کی"

اس کی تفصیل یہ ہے کہ سلطان شمس الدین حضرت قطب صاحب سے والہانہ عقیدت رکھتا تھا، اور اُن سے بیعت تھا، مگر جب حضرت عثمان ہارونی قدس سرہ دہلی تشریف لائے، تو نسبت اعلیٰ حاصل کرنے کے لئے خواجہ موصوف سے بھی بیعت ہوا، اور حضرت خواجہ اعظم نے تلقین و تعلیم باطن کے لئے غریب نواز کے سپرد فرمایا، اور اس مقصد کے لئے بفرمان مرشد غریب نواز نے رسالہ گنج اسرار تحریر فرمایا، اس لئے اس واقعہ کو یوں سمجھنا چاہئے کہ قطب صاحب کے مرید نے قطب صاحب کے دادا پیر سے بیعت کی، اور پیر سے استفادہ حاصل کیا، اس طرح کوئی بات خلاف ادب نہیں رہتی،

ہم نے جن کتابوں کو حضرت خواجہ کی جانب منسوب کیا ہے، ان میں سے کنج اسرار یا گنج اسرار کے دو قلمی نسخے ہمارے پاس بھی موجود ہیں، اور کشف الاسرار بھی موجود ہے، اور حدیقۃ المعارف نصرت نامہ اور رسالہ موجودیہ کی تلاش جاری ہے، اور خراسان سے اُن کے منگانے کی کوشش ہو رہی ہے، مگر بعض حضرات نے اُن کے حوالے دیئے ہیں، اور بقول بعض غریب نواز کے خلفاء کی فہرست انہی

نقل کی گئی ہے، ممکن ہو اُن ہی میں سے کوئی کتاب دلّی کے کسی پُرانے علم دوست خاندان سے مل جائے،

خواجگانِ چشت کی تصانیف کے متعلق ایک مفصل بیان ہم نے نظرثانی شدہ معین الارواح میں کیا ہے

جو مختصراً ذیل میں بھی درج کیا جاتا ہے،

عزیز ناقد نے خیر المجالس کا جو بیان نقل کیا ہے، اُس میں یہ فقرہ

"اس لئے کہ ہمارے خواجگان نے کوئی تصنیف نہیں کی"

الحاقی ہے، یہ فقرہ اصل کتاب فوائد الفواد کے نسخہ مطبوعہ مسلم پریس جھجر ص ۱۰۶، مجلس ۱۵ محرم سنہ ۷۱۰ھ

اور دوسرے فارسی نسخہ مطبوعہ نامی نولکشور پریس کے ص ۱۵۹ پر مجلس ۱۵ محرم سنہ ۷۱۰ھ میں نہیں ہے اسی

طرح یہ فقرہ بھی

"باقی خواجگانِ چشت وغیرہ مشائخ جو داخل ہمارے شجرہ میں ہیں، کسی نے کوئی

تصنیف نہیں کی ہے"

الحاقی ہے؛

خیر المجالس کے مذکورہ بالا بیان کی تردید حضرت امیر خسرو کی مرتبہ کتاب افضل الفوائد (ارشادات

حضرت محبوب الٰہی) راحت القلوب مرتبہ حضرت محبوب الٰہی (ارشادات حضرت بابا گنج شکرؒ) اور حضرت

نصیر الدین چراغ دہلوی کے بیانات مندرجہ مفتاح العاشقین[51] مرتبہ محب اللہ سے ہو جاتی ہے، اور یہ

امر روزِ روشن کی طرح ظاہر ہو جاتا ہے کہ حضرت خواجہ عثمان ہارونی قدس سرہ حضرت خواجہ غریب نوازؒ

صاحبِ تصنیف ہیں، یہ بیانات حسبِ ذیل ہیں،

راحت القلوب ص ۵۰ میں ہے کہ

"بعد ازاں (بابا گنج شکر نے) فرمایا کہ شیخ الاسلام معین الدین سنجری کا خواجہ عثمان

[51] علاوہ مترجمہ مطبوعہ نسخہ کے اس کتاب کا اصل فارسی قلمی نسخہ بھی دستیاب ہو گیا ہے،

ہارونی سے روایت ہے کہ آپ قوت القلوب میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو پسند

کرتا ہے جو دعا کرتے ہیں"

مفتاح العاشقین ص ۴ میں ہے کہ

"شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی نے فرمایا اے درویش! شیخ الاسلام خواجہ معین الدین

قدس اللہ سرہٗ کے رسالہ میں میں نے لکھا دیکھا ہے کہ صبح صادق ہوتی ہے تو ساتوں اعضا

زبانِ حال سے زبان کے روبرو فریاد کرتے ہیں"

صفحہ ۴:- بعد ازاں موصوف نے فرمایا کہ

"حضرت شیخ الاسلام خواجہ عثمان ہارونی قدس اللہ سرہ العزیز اپنے رسالہ میں لکھتے ہیں کہ انسان

کے ہر ایک اعضا میں شہوت و حرص ہے"

ص ۱۴ و ۱۵:- شیخ موصوف نے فرمایا:-

"میں نے انیس الارواح میں لکھا دیکھا ہے کہ ایک مرتبہ کوئی بزرگ عالم سکر میں تھے،

انھوں نے کہا لیس لی سوالک ولا تلیق بغیرک راغب (یعنی تیرے سوا میرے کچھ

نصیب نہیں، اور نہ میرا دل تیرے غیر کی طرف راغب ہے)"[52]

(ص ۱۱):- فرمایا:-

"میں (نصیر الدین چراغ دہلوی) نے دلیل العارفین میں لکھا دیکھا ہے کہ ایک مرتبہ کوئی

بزرگ عالم سکر میں آسمان کی طرف آنکھیں جمائے کھڑے تھے، اس حالت میں کیا دیکھتے ہیں کہ

عرش سے کرسی اور کرسی سے عرش تک پوچھ رہا ہے کہ تیری کیا حالت ہے، بزرگ یہ دیکھ کر نعرہ

مار کر بے ہوش ہو گئے"[53]

[52] یہ روایت موجودہ انیس الارواح میں نہیں ہے [53] یہ روایت موجودہ نسخہ دلیل العارفین میں نہیں بلکہ اس لئے

اعتراض:- عزیز ناقد معارف نمبر ۱۱۳ میں لکھتے ہیں

"اس کے علاوہ حضرت امیر خسرو کی رائے تو صرف اپنے مرشد کے متعلق ہے، اس سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ حضرت سلطان المشائخ کے مرشد اور دوسرے خواجگان چشت نے کتابیں لکھیں؛"

جواب:- شاید عزیز ناقد نے معین الارواح ص ۲۴ کی عبارت کو غور سے پڑھے بغیر مندرجہ بالا اعتراض کر دیا، اس کی سطر ۵ و ۶ میں مرقوم ہے:-

"افضل الفوائد (ملفوظات حضرت سلطان المشائخ مرتبہ حضرت امیر خسرو) میں مرقوم ہے کہ خواجہ بزرگ اور سلطان المشائخ جو کچھ اپنے پیر و مرشد سے سنتے تھے، وہ لکھ لیتے تھے"

عزیز ناقد کو معلوم ہونا چاہیے کہ خواجہ بزرگ سے مراد خواجہ معین الدین حسن چشتی سنجری قدس سرہٗ سے ہے، اس لئے حضرت سلطان المشائخ کے علاوہ حضرت خواجہ بزرگ (جو ہمارا موضوع ہیں) کی تصنیف کا ہونا بھی ثابت ہے، انیس الارواح میں خواجہ بزرگ نے اپنے مرشد کے ارشادات بھی لکھے ہیں،

دیوان معین کے متعلق جو عزیز ناقد نے پروفیسر محمود شیرانی اور پروفیسر عبدالغنی کے بیانات کا حوالہ دیتے ہوئے ایک طویل بیان لکھا ہے، اس کی تردید اور اس کی تصدیق کہ دیوان معین خواجہ غریب نواز کا کلام ہے مفتاح العاشقین کے بیان مندرجہ ص ۱۰۸ سے ہوتی ہے،

اس بیان سے صاف ثابت ہے کہ یہ دیوان غریب نواز کا ہے، اس دیوان کا ایک مصدقہ قلمی نسخہ جو دو چار ہمارے پاس موجود ہے، اس کے متعلق ہماری تحقیقات جاری ہے، اس کے دیباچہ کی نقل اور اس کے متعلق ایک خاص روایت بھی ہم تک پہنچی ہے، دیوان میں جن اعلیٰ مقامات معرفت کا ذکر کیا گیا ہے، وہ حافظ کو نصیب نہیں، حافظ کے یہاں مسلک رندانہ کی شراب، میخانہ، جام اور مقامات خراب و خرابات کا

(بقیہ حاشیہ صفحہ نمبر ۲۰۵) ان روایات کے ان کتابوں میں نہ ہونے سے معلوم ہوتا ہے، کہ ان میں بعض روایات کا الحاق کیا گیا ہے، بلکہ بعض حذف بھی کی گئی ہیں،

ذکر ہے، اور دیوان معین میں تقاضائے تامہ ہے، اور مقام عینیت یعنی اس کی تفصیل کے لئے ایک رسالہ کی ضرورت ہے، اس باب میں یہ بھی قابل لحاظ ہے کہ بعض بزرگوں کے کلام کو بعض دوسرے لوگوں نے اپنے نام یا نسبت سے منسوب کیا ہے، چنانچہ حسب بیان فوائد الفوائد ص ..، حضرت داتا گنج بخش کے دیوان کا بھی یہی حشر ہوا،

اعتراض:- عزیز ناقد معارف ص ۲۱۲ میں لکھتے ہیں کہ

"حضرت قطب الاقطاب نے فرمایا کہ ایک مرتبہ میں شیخ الاسلام حضرت خواجہ معین الدین قدس سرہٗ کی خدمت اقدس میں حاضر تھا، اور اہل صفہ بھی موجود تھے، اولیاء اللہ کا تذکرہ ہو رہا تھا، اس درمیان میں ایک شخص بیعت ہونے کے لئے حاضر خدمت ہوا، اور آپ کے قدموں پر سر رکھا، غریب نواز نے فرمایا "بیٹھو!" اس نے کہا کہ میں مرید ہونے کے لئے حاضر ہوا ہوں، آپ اس وقت اپنے حال میں تھے، فرمایا اس شرط پر مرید ہو سکتے ہو کہ ایک مرتبہ کہو لا الٰہ الا اللہ چشتی رسول اللہ، چونکہ وہ راسخ العقیدہ تھا، اس نے فوراً اس طرح کہا، غریب نواز نے اس کو مرید کرنے کے لئے ہاتھ بڑھا دیا، اور خلعت خاص سے سرفراز فرمایا، یہ روایت حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے مجموعہ ملفوظات فوائد السالکین سے لی گئی ہے، لیکن یہ روایت کبھی قابل قبول نہیں ہو سکتی، گو فاضل مؤلف نے اس کی مدافعت میں یہ تاویل کی ہے کہ اگرچہ سرسری نظر سے دیکھنے میں مذکورہ بالا الفاظ شرعاً قابل اعتراض معلوم ہوتے ہیں، مگر لغوی معنی کے پیش نظر ہرگز قابل اعتراض نہیں، نیز صاحبان حال نے اس قسم کے کلمات اکثر فرمائے ہیں، چنانچہ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادیؒ اور حضرت بایزید بسطامی وغیرہ کے حالات میں بھی ایسے اقوال موجود ہیں، بلکہ خود سرور عالم ﷺ نے بھی طائف میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے سرگوشی کرنے کے موقع پر ارشاد فرمایا "میں نے ان سے سرگوشی نہیں کی، بلکہ خدا نے کی" نیز ایک دوسرے موقع پر

ارشاد ہوتا ہے کہ جس نے مجھے دیکھا اوس نے خدا کو دیکھا"

جواب:- اکثر بزرگون کی زبان سے مقام عینیت کے حال مین اس قسم کے جملے نکل گئے ہین بعد کے بزرگون نے بھی اس روایت کو مطابق حالِ صوفیہ تسلیم کیا ہے، چنانچہ سبع سنابل ص ۱۳۲ مین سلسلۂ چشتیہ کے بزرگ میر عبدالواحد بلگرامی نے یہ روایت نقل کرکے لکھا ہے :-

"پس صدق با پیر آنست کہ ظاہراً و باطناً ذرہ اعتراض نکند آن سبب مفارقت حقیقی است تا از برکت صحبت و خدمت نیتے برگیرد، چنانکہ موسیٰ علیہ السلام با خضر علیہ السلام اعتراض پیش آمد ہذا فراق بینی و بینک شنید،

حضرت ابن عباس رضؓ نے صاف طور سے فرمایا ہے :-

"سرورِ عالمؐ نے مجھے دو علم سکھائے ہین، ایک علم ظاہر، دوسرا علم وہ ہے جس کو اگر مین ظاہر کرون تو لوگ مجھے قتل کردین"

بعض اولیائے کرام نے خاص حالت مین اس قسم کے ارشادات فرمائے ہین، گو ان کے یہ کلمات بعض لوگون پر گران گذرے ہین، اور بعض اوقات ایسے مواقع پر تلوار سے کام لینے کی نوبت آگئی ہے

مولانا روم نے اس کا خوب فیصلہ فرمایا ہے، چنانچہ مثنوی مین لکھا ہے :-

"اگر ٹھنڈا لوہا یہ کہے کہ مین آگ ہون تو جھوٹا ہے، لیکن وہ گرم لوہا جو آگ مین پڑ کر سرخ ہوجائے اور اس مین آگ کی صفات آجائین، اگر اپنے آپ کو آگ کہتا ہے، تو صحیح کہتا ہے"

یہی فرق فرعون و شداد کے دعوی اور حضرت منصورؒ کے فرمانے مین ہے بعض اکابر کے اس قسم کے فقرے ملاحظہ ہون :-

مسالکین السالکین جلد دوم ص ۷۰ مین ہے کہ سلطان العارفین حضرت بایزید بسطامیؒ نے حالت مستی اور بیخودی مین فرمایا :-

"سبحانی ما اعظم شانی"

اسی کتاب کی جلد دوم ص ۲۴۲-۲۴۳ مین ہے کہ حضرت شیخ ابوالحسن خرقانی فرماتے ہین :-

"مین نے وحدانیت مین طواف کیا تو بیت المعمور نے میری زیارت کی کعبہ نے میری تسبیح پڑھی اور ملائکہ نے میری ثنا کی"

پھر فرماتے ہین :-

"حق تعالیٰ سے ندا ہوئی کہ میری ہستی کا اقرار کر، مین نے عرض کیا خداوندا تیرے سوا کون ہے جو تیری ہستی کا اقرار کرے، کیونکہ تو نے خود فرمایا، کہ "اشهد ان لا الٰہ الا هو"

خزینۃ الاصفیا جلد اول ص ۷۰ مین ہے کہ سید الطائفہ حضرت خواجہ جنید بغدادی فرماتے ہین :-

"خدائے تعالیٰ تا سی سال بزبان جنید با جنید سخن گفت"

پھر لکھتے ہین :-

"چون اقوال توحید حضرت جنید زبان زد بہ خاص و عام شد مخالفان نابکار زبان طعن در حق وے دراز کردند"

سیر العارفین ص ۱۲ مین ہے کہ "شیخ المشائخ حضرت پیر علی ہجویریؒ (الملقب بہ داتا گنج بخش لاہوری) کا قول ہے :- الفقر عندی من لا قلب لہٗ ولا رب لہٗ"

اس قسم کی اور بھی بکثرت مثالین موجود ہین، بلکہ خود سرورِ عالمؐ نے اپنے حال مین اس قسم کے ارشادات فرمائے ہین جن کا ذکر اوپر آچکا ہے، نیز ایک موقع پر فرمایا :-

"کون عائشہ کون ابوبکر وغیرہ"[۱]

عزیز ناقد کو معلوم ہونا چاہیئے کہ انھون نے جن باتون کو حدیث کی تاویل بتایا ہے وہ تاویل نہین

[۱] معارف :- یہ روایت بالکل موضوع ہے اور اس قسم کے اقوال بھی آنحضرت صلعم کی جانب منسوب ہون سب غلط ہین :-

بلکہ واقعہ اور حقیقت ہیں، ہم نے مثالاً سرور عالم کی احادیث کے ترجمے لکھے ہیں، اپنی طرف سے ان میں کوئی اضافہ نہیں کیا ہے، کسی اصل حدیث کی تاویل کرنا خود ایک بڑا گناہ ہے اور کیا کسی بیان کو الحاقی تصور کرنے کا صرف یہی معیار ہے، کہ جو چیز کم فہمی کی وجہ سے قانون ظاہر کے مطابق نظر نہ آئے وہ الحاقی ہے؟ اس موقع پر ایک بزرگ کا قصہ یاد آیا:-

"کسی نے بزرگ نے اپنے مرید کو اپنا جوتا مرمت کرانے کے لئے بھیجا، مرید نے جھٹ دوڑ کے کہا یہ خدا کا جوتا ہے لوگوں نے مرید پر یورش کی، پیر کو اس کی خبر ہوئی، تو جا کر کہا یہ سچ کہتا ہے دنیا میں ہر چیز خدا کی ملک ہے"

اس قسم کے امور نہ صرف حضرات خواجہ کی تعلیمات باطنی کے منافی نہیں ہیں، بلکہ پچھلے بزرگوں کے اس قسم کے سیکڑوں ارشادات کی بنا پر وہ صوفیہ کے بعض مخصوص حالات کے بھی خلاف نہیں ہیں، بلکہ حسب تشریح گذشتہ انھیں سنتِ عارفان کہا جا سکتا ہے۔

سِیَرُ الصحابہ جلد ششم

جس میں

بہ ترتیب چار اہم ہستیوں حضرت امام حسن، حضرت امیر معاویہ، حضرت امام حسین، اور حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم کے حالات و سوانح، اخلاق و فضائل اور اُن کے مذہبی علمی، اخلاقی اور سیاسی مجاہدات اور کارناموں کی تفصیل ہے،

قیمت :- للعہ طبع دوم مع اضافہ و ترمیم

(مرتبہ شاہ معین الدین احمد ندوی)

"منیجر"

مطبوعات جدیدہ

تذکرۂ شیخ عبد الحق محدث دہلوی

از جناب مولانا سید احمد صاحب قادری استاد مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ، تقطیع اوسط، ضخامت ۲۴۰ صفحے کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، قیمت مجلد عیر، پتہ:- شاد بک ڈپو پٹنہ نمبر۴،

جن علمائے حق نے ہندوستان میں دین و ملت کی نمایاں خدمت انجام دی، اور اس ظلمت کدہ میں حدیث و سنت کی روشنی پھیلائی، اور مسلمانوں کی مذہبی اصلاح کا فرض انجام دیا، اُن میں حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا نام نامی بھی ممتاز حیثیت رکھتا ہے، وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے ہندوستان میں حدیث نبوی کی نشر و اشاعت، احیائے سُنّت اور اصلاح عقائد کا فرض انجام دیا، یہ وہ زمانہ تھا، جب اکبری دور کی بے دینی کے اثر سے امرا و اعیان سے لیکر عوام تک کے عقائد بگڑ رہے تھے اور صحیح مذہب غیر اسلامی اوہام و تصورات اور ہندی رسوم و روایات میں گم ہو رہا تھا، حضرت شیخ نے دین کے اصل سرچشمے کتاب و سنت کی تبلیغ و اشاعت اور احیائے سنت کے ذریعہ غیر اسلامی خیالات کی تردید غلط متصوفانہ اور متکلمانہ تصورات کی تصحیح اور امرا و اعیان کی اصلاح کی کوشش کی، اور حدیث نبوی کے درس و تبلیغ اور تصوف کی اصلاح کی جانب خصوصیت کیساتھ زیادہ توجہ فرمائی چنانچہ جہانگیر کے زمانہ سے اکبری دور کی بے دینی کے خلاف جو ردعمل شروع ہوا اس میں حضرت شیخ کے مساعی کو بھی دخل تھا، اس سلسلہ کے دوسرے اکابر حضرت مجدد الف ثانی، اور آخر میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمہما اللہ کے حالات اور کارناموں پر تو بہت کچھ لکھا جا چکا ہے لیکن حضرت شیخ کے حالات کی جانب بہت کم توجہ کیگئی فاضل مصنف نے اس کمی کو پورا کیا ہے اور مذکورۂ بالا تذکرہ میں حضرت شیخ کے حالات و سوانح اُن کے علمی و قلمی مجاہدات دینی خدمات

اور اصلاحی کارناموں کا مختصر تذکرہ اور انکی تصانیف پر تبصرہ کیا ہو، گو حضرت شیخ کے کارناموں کے لحاظ سے یہ تذکرہ مختصر ہی تاہم اس میں اہم اور ضروری حالات آگئے ہیں، مصنف کو حضرت شیخ کی بعض ضروری تصانیف بھی نہ مل سکیں اسلئے وہ اس اختصار میں معذور بھی تھے لیکن نقش اول کی حیثیت سے یہ تذکرہ بھی بہت غنیمت ہی، امید ہی کہ اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن اس سے زیادہ جامع و مکمل ہوگا، مصنف نے یہ کتاب لکھکر ایک مفید دینی اور علمی خدمت انجام دی ہی،

انیس کی مرثیہ نگاری، از نواب جعفر علی خان اثر لکھنوی تقطیع اوسط ضخامت ۱۲۸ صفحات، کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت مجلد عہ، غیر مجلد عہ ۱- دانش محل امین الدولہ پارک لکھنؤ،

کچھ دن ہوئے جناب محمد احسن صاحب فاروقی لکچرار شعبۂ انگریزی لکھنؤ یونیورسٹی نے رسالہ نگار میں مراثی میر انیس پر ایک طویل تنقیدی مضمون لکھا تھا، جس میں انیس کی خامیاں اور کوتاہیاں دکھائی تھیں، جناب اثر لکھنوی نے اس کا جواب لکھا تھا جس کو اڈیٹر صاحب نگار نے اپنے حواشی اور نوٹ کے ساتھ جس میں ناقد کے اعتراضات کی تائید و تشریح کی گئی تھی، شائع کیا تھا، جناب اثر نے اڈیٹر نگار کے ان حواشی کے جواب میں ایک دوسرا مضمون طوطی پس آئینہ کے عنوان سے لکھا، اس کو انھوں نے شائع نہیں کیا، اب جناب اثر نے ان دونوں مضامین اور اُن کے ساتھ میر انیس اور مرزا دبیر کے کمالات شاعری پر دو نئے مضامین میر انیس کے ایک مرثیہ کا خاکہ، اور مرزا دبیر کا ایک مرثیہ اضافہ کرکے چاروں کو کتابی شکل میں مرتب کردیا ہی، اس کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ جناب احسن نے مراثی کو زیادہ تر یورپ کے معیار شاعری سے جانچا ہے، جو اگرچہ بعض پہلوؤں کے لحاظ سے غلط نہیں ہے لیکن تمامتر اس لئے صحیح نہیں ہے کہ مراثی کی ایک اہم حیثیت مذہبی بھی ہے، جس کا مقصد گریہ و بکا ہے، اگر تنقید میں اس پہلو کا لحاظ رکھا جائے، تو بہت سے اعتراضات خود بخود اٹھ جاتے ہیں، تاہم فاروقی صاحب

... بعض اعتراضات خصوصاً جن کا تعلق مراثی کی معنوی حیثیت سے ہی، مثلاً مراثی میں لکھنؤ کی ... خاص تہذیب کی مصوری یا ایسے واقعات جو اہل بیت کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مرتبہ ... بلند کردار سے فروتر ہیں، یا اور اس قبیل کے بعض اعتراضات بڑی حد تک صحیح ہیں، یہ اعتراضات ... ان کے جوابات زیادہ تر دونوں ادیبوں کے نقطۂ نظر اور مذاق و رجحان کے اختلاف کا نتیجہ ہیں، جناب ... جدید تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود پرانی تہذیب کی یادگار، اس کے آئین و آداب کے پابند اور مذہبی ... کے بزرگ ہیں، اُن کو لکھنؤ کی زبان و تہذیب اور قدیم ادبی یادگاروں سے عشق ہے، اور وہ ... نکتہ سنج بذلہ گو اور سخن فہم اور صاحب نظر دیدہ ور ادیب ہیں، اور جناب احسن جدید تعلیم و تربیت ... زیدہ ذہین و آزاد خیال نوجوان اور وسیع النظر اور جدت پسند ادیب ہیں، یہی فرق ان دونوں کی ... روں میں بھی ہے، درحقیقت میر انیس اور مرزا دبیر کے مداحوں اور ناقدوں نے ہر زمانہ میں غلو سے کام ... ہے، جس سے ان دونوں ادیبوں کی تحریریں بھی خالی نہیں ہیں، تاہم اس ادبی مباحثہ سے یہ بڑا ... دہ ہوا کہ شاعری کے بارہ میں قدیم و جدید نقطہائے نظر اور ان سے متعلق بہت سے ادبی و شعری ... سائل و نکات معرض تحریر میں آگئے،

حجاز نامہ، از جناب شفیق جونپوری تقطیع چھوٹی ضخامت ۲۰۰ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت معمولی، قیمت عہ ۱- ادارہ بزم ادب جونپور،

مشہور شاعر جناب شفیق جونپوری گذشتہ سال حج بیت اللہ کے شرف سے مشرف ہوئے تھے، ... سفر کی روداد اور اس کے باطنی تاثرات انھوں نے حجاز نامہ کے نام سے مرتب کئے ہیں، حج کا تقدس ... مسلمان کے لئے گوناگون تاثرات رکھتا ہے، مصنف تو ایک حساس شاعر اور خوش عقیدہ صاحب دل ... اس لئے اُن کے سفر نامہ میں یہ کیفیتیں زیادہ نمایاں ہیں، اسی تاثر میں انھوں نے شہر کا سفر ... کے متعلق تلخ تجربات بھی قلمبند کردیئے ہیں، جا بجا سفر حج کے متعلق دوسرے متفرق معلومات بھی ہیں،

مگر اس سفرنامہ کا سب سے اہم حصہ اور اس کی اصل روح وہ پرکیف نظمیں ہیں، جو مصنف نے بارگاہ رسالت میں نذر گذرانی ہیں، اس حیثیت سے یہ سفرنامہ اصحاب ذوق کے مطالعہ کے لائق ہے،

افاداتِ حسن بصری از جناب مولوی قاضی اطہر صاحب مبارکپوری تقطیع چھوٹی ضخامت ۵۶ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت معمولی قیمت ۱۲ار پتہ دائرہ ادبیہ مبارکپور ضلع اعظم گڈھ،

حضرت حسن بصریؒ کی شہرت عام طور سے سلسلہ تصوف کے شیخ الشیوخ کی حیثیت سے ہے، تصوف کے اکثر سلاسل آپ ہی کی ذات پر منتہی ہوتے ہیں، اس حیثیت کے علاوہ آپ جلیل القدر تابعی تھے، اور علم ظاہر، اہتمام شریعت اور دین وتقوی میں آپ کا مقام بہت بلند ہے، طبقات وتراجم کی کتابوں میں دین ودنیا کے مختلف پہلوؤں کے متعلق آپ کے اقوال وملفوظات اور بلند اخلاقی واقعات ملتے ہیں، مصنف نے اُن کو مختلف سرخیوں کے ماتحت جمع کر دیا ہے، اور یہ مختصر رسالہ ایک مفید اخلاقی درس بن گیا ہے،

رمزِ سخن مرتبہ جناب ڈاکٹر سید محی الدین زور قادری تقطیع چھوٹی ضخامت اوسط قیمت ۱۲۲ صفحے کاغذ کتابت وطباعت معمولی قیمت عہ، پتہ:- سب رس کتاب گھر خیرت آباد حیدرآباد دکن،

سدانند جوگی بہاری لال حیدرآباد کے مشہور شاعر اور اردو کے قدیم طرز شاعری کی آخری یادگار تھے، رمز سخن اُن کے کلام کا انتخاب ہے، اُن کے زمانہ میں شاعری کی دنیا میں داغ وامیر کا رنگ چھایا ہوا تھا، اس لئے رمز کے کلام کا عام رنگ بھی یہی ہے، مگر اُن کو زندگی کے بعض دل شکن حالات سے سابقہ پڑا تھا، جنھوں نے ان میں ایک والہانہ اور مجذوبانہ کیفیت پیدا کر دی تھی، اور اُن کو دنیا سے کنارہ کش بنا دیا تھا، اس لئے اُن کے کلام میں جابجا عارفانہ خیالات اور سوز وگداز کی گرمی بھی ملتی ہے، زبان وبیان میں مشق ومہارت کی پختگی نمایاں ہے، کتاب کے شروع میں مرتب کے قلم سے دکن کی اردو شاعری، رمز کے حالات اور ان کے کلام پر مختصر تبصرہ ہے،

"م"

بزم صوفیہ

جس میں عہد تیموریہ سے پہلے کے صوفیہ کرام حضرت شیخ ابوالحسن علی ہجویریؒ حضرت خواجہ [معین] الدین چشتیؒ، حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ، حضرت قاضی حمید الدین ناگوریؒ، حضرت بہاء الدین [زکریا] ملتانیؒ، حضرت شیخ صدر الدینؒ، حضرت بابا گنج شکرؒ، حضرت فخر الدین عراقیؒ، حضرت [امیر] حسینیؒ، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ، حضرت بو علی قلندر پانی پتیؒ، حضرت شیخ رکن الدینؒ، [حضر]ت برہان الدین غریبؒ، حضرت ضیاء الدین نخشبیؒ، حضرت شرف الدین احمد منیریؒ، حضرت [مخدوم ج]ہانیان جہان گشتؒ، حضرت اشرف جہانگیر سمنانیؒ، اور حضرت خواجہ گیسو درازؒ کے مستند حالات [و ت]علیمات ایک بالکل نئے انداز میں پیش کی گئی ہیں، ہندوستان کے اسلامی عہد میں جب [سلاط]ین ایک جگہ سے دوسری جگہ فوجکشی میں مشغول تھے، تو خانقاہ کے بوریا نشین انسانوں [کے قل]وب کی تسخیر کر رہے تھے، رفتہ رفتہ دو متوازی حکومتیں قائم ہوگئیں، ایک تو اُن کی جو تخت [وتاج] کے مالک تھے، اور ایک ان کی جو روحانی تاجدار تھے، ایک کے یہاں جاہ وحشمت تھی [اور د]وسرے کے گھر میں فقر وفاقہ تھا، لیکن اِن ہی فقر وفاقہ والوں کے ذریعہ ہندوستان [میں ا]سلام کی سچی عظمت وشوکت قائم ہوئی، ان بزرگانِ دین نے اپنے عہد کے مذہب، [تمد]ن، اخلاق، معاشرت اور سیاست کو کس طرح سنوارا، اس کی تفصیل اس کتاب [میں] ملاحظہ فرمائیں، قیمت:- ہے (مرتبہ سید صباح الدین عبدالرحمن ایم اے)

"منیجر"